

مرکز اہل سنت والجماعت سرگودھا کا ترجمان

مدیر

مولانا محمد الیاس گھمن

مرکز گودھ

فقیہ

ماہنامہ

شمارہ 8,9

اگست ستمبر 2014ء

جلد نمبر 3

پاکستان ہے
یہ میرا

رشوت..... مسلم معاشرے میں ناسور



اخلاقی
دیوالیہ پن

اسلام میں غلامی کا تصور

87 جنوبی لہور و مسکو
www.ahnafmedia.com

مرکز اہل سنت والجماعت

مرکز اہل السنۃ والجماعت سرگودھا کا ترجمان

فقیہ سرگودھا ماہنامہ

شمارہ 8,9

اگست، ستمبر 2014ء

جلد نمبر 3

معاون مدیر

مولانا محمد کلیم اللہ
نگران شعبہ رسائل و جرائد

مدیر

مولانا محمد الیاس گھمن

ایجنسی ہولڈرز مہر لگائیں اور ہدیہ دینے والے اپنا نام لکھیں!

بیرون ممالک

امریکہ، اسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک
35 ڈالر..... سالانہ

سعودیہ، انڈیا، متحدہ عرب امارات اور عرب ممالک
25 ڈالر..... سالانہ

ایران، بنگلہ دیش 20 ڈالر..... سالانہ

● آپ یہ شمارہ آن لائن پڑھ اور ڈاؤن لوڈ
بھی کر سکتے ہیں



www.ahnafmedia.com

سرکولیشن مینیجر

0332-6311808

Contact Us

قیمت فی شمارہ 30 روپے علاوہ ڈاک خرچ
سالانہ 300 روپے
زرتعاون

www.ahnafmedia.com
mag@ahnafmedia.com

مرکز اہل السنۃ والجماعت سرگودھا

فہرست

یہ میرا پاکستان ہے !! ----- 3

اداریہ

تحقیق و ریسرچ میں فکری گمراہی کا تیسرا سبب ----- 6

مولانا محب اللہ جان

مغالطہ آفرینی ----- 12

مولانا محمد اشفاق ندیم

فقہ اسلامی کی بہاریں ----- 23

مولانا محمد اسحاق

اسلام میں غلامی کا تصور ----- 30

مولانا عبدالرحمن سندھی

گداگری --- مجبوری یا پیشہ ----- 42

عابد محمود عزام

سود کی سزا موت بائبل میں بھی !! ----- 55

ظہور نیازی

دارالعلوم دیوبند تجدید دین کی عالمگیر تحریک ----- 61

مولانا محمد اللہ قاسمی

اخلاقی دیوالیہ پن ----- 87

شیخ ولی خان المنظر

یہ میرا پاکستان ہے!!

اداریہ

14 اگست صبح دس بجے مرکز اہل سنت والجماعت سرگودھا میں ”استحکام پاکستان سیمینار“ کا انعقاد کیا گیا تھا۔ مرکز کی وسیع و عریض عمارت اور پنڈال میں ہر طرف سبز ہلالی پرچم لہرا رہے تھے۔ مرکز اہل سنت کا تمام عملہ اپنی اپنی ذمہ داریاں بھی نبھا رہا تھا اور آزادی وطن کی مسرت ان کے چہروں پر چھلک رہی تھی۔ سرگودھا شہر اور مضافات سے مذہبی، سماجی اور سیاسی حلقوں نے نہ صرف اس میں بھرپور شرکت کی بلکہ اس اقدام کو ”جذبہ حب الوطنی“ قرار دے کر خوب سراہا۔

استحکام پاکستان سیمینار کے اختتام پر استحکام پاکستان ریلی کا افتتاح تھا۔ ریلی ٹھیک وقت مقرر پر مرکز اہل سنت والجماعت 87 جنوبی سے شروع ہوئی اور پورے شہر کا چکر لگاتے ہوئے کمپنی باغ سرگودھا میں جا کر اس کا اختتام ہوا۔ استحکام پاکستان سیمینار اور ریلی میں مذہبی اور سیاسی و سماجی قائدین نے وطن کی تعمیر، ترقی اور خوشحالی کے لیے اپنے اپنے جذبات کا اظہار بھی کیا اور اللہ کے حضور خوب دعائیں بھی مانگیں۔ اس دوران میرے اور شرکاء کی سماعتوں نے جن الفاظ کو بار بار اپنے دامن میں پناہ دی وہ یہ تھے: ”یہ تیرا پاکستان ہے۔۔۔ یہ میرا پاکستان ہے۔“ اس ترانے میں بانیانِ پاکستان کا تذکرہ بھی ملتا ہے اور اس ارضِ وطن کے لیے جانوں کی قربانی پیش کرنے والے شہدا کا ذکر خیر بھی موجود ہے۔ وقفے وقفے سے بانیانِ وطن کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ نعرہ بھی بلند ہوتا رہا۔

پاکستان کا مطلب کیا؟۔۔۔۔۔ لا الہ الا اللہ

تیرا میرا رشتہ کیا؟----- محمد رسول اللہ

یوم آزادی منانے والے متوالوں نے 1947ء کا وہ 14 اگست بھی یاد کیا جب اس کو اغیار کی غلامی سے آزادی نصیب ہوئی۔

جس آزادی کے لیے مسلمانوں نے ہندوؤں اور سکھوں کے جبر و جور کو برداشت کیا، جس آزادی کے حصول کے لیے فرنگیوں کے تشدد اور جفاؤں کو سہا جاتا رہا، جس آزادی کے لیے اسلام کی بیٹیوں کی عزتیں تاراج ہوئیں، جس آزادی کے لیے دودھ پیتے بچے جان کی بازی ہارتے رہے، جس آزادی کے لیے بوڑھوں کے ناتواں لاشے گرتے رہے، جس آزادی کے لیے بہنوں کے سہاگ لٹتے رہے۔ جس آزادی کے لیے مساجد گرائی جاتی رہیں، قرآن جلانے جاتے رہے، مدارس اور تعلیم گاہوں کو مسمار کیا جاتا رہا، جس آزادی کے لیے قربانیوں کی داستانیں رقم ہوتی رہیں۔ وہ آزادی۔

ہاں! وہ آزادی۔۔۔ جس میں ہمارے دین کا تحفظ، ہمارے عقائد و نظریات کا فروغ، ہمارے کلچر اور تہذیب کی بقاء تھی، وہ آزادی جس میں ہمارے معاشرے کی آبرو محفوظ تھی، وہ آزادی جس کے خیموں میں امن کے چراغ روشن کرنے تھے، وہ آزادی جس کے محلات میں شعور و آگہی کی قندیلیں لٹکانی تھیں، وہ آزادی جس میں علم کی شمعیں جلانی تھیں، وہ آزادی جس میں محبت و ہم آہنگی کی معطر ہوائیں چلانی تھیں، وہ آزادی جس میں اتحاد و اتفاق کی فصل کاشت کرنی تھی۔ وہ آزادی جس میں اپنے خوابوں کی تعبیر پوری کرنی تھی۔۔۔۔

اس آزادی کو انقلاب کے سفید ہاتھی روندنے آگئے ہیں۔۔۔ اس آزادی کو مٹانے کے لیے کچھ مسخرے اب ”مارچ“ کر رہے ہیں۔ کچھ انقلابی نمودار ہوئے جنہوں نے اس ملک کی سالمیت پر شب خون مارا، اور کچھ ”نیپاکستان“ بنانے کے لیے

اپنے مٹر گشت بلکہ کوچہ گشتی کو ”آزادی مارچ“ کہہ رہے ہیں۔ ”انقلاب“ کی بد صورت اور بد روح کو وہ مظلوم خاندان ہی بہتر جانتے ہیں جن کے گھروں سے جنازے اٹھے۔ ان کے وہ ملک دشمن اور جان لیوا منصوبے منہ کھولے کھڑے ہیں جس کی بھیڑ ”ملک کے رکھوالوں“ کو بھی چڑھادی گئی۔ دوسری طرف بے حیائی کا وہ سونامی آیا کہ جس میں اسلام آباد میں 14 اگست سے تادم تحریر، ناچ کلچر، ڈانس کلچر، موسیقی کلچر، زنا کلچر اور اسلامی تشخص سے ”آزادی“ کلچر کے بھنور میں کئی عزتیں ڈوب گئیں، مخلوط کلچر کی ہڑ بونگ میں کتنے نوجوانوں نے دختران قوم اور حوا کی بیٹیوں کے سروں سے حیا، عفت اور پاکدامنی کی چادر کو تار تار کیا اور اس کی غیرت کو پیوند خاک کیا۔

پاکستان میں خانہ جنگی کو فروغ دینے کے لیے یہودیت نے جن مہروں کی چال چلی ہے وہ ٹائی پتلون اور رجبے و دستار دونوں میں دیکھے جاسکتے ہیں، ملک دشمن قوتوں کے ایجنٹ اپنے اچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ ایک طبقہ اس کی جمہوریت اور آئین کا دشمن بنا ہوا ہے اور اس کے استحکام کو گزند پہنچانے کے لیے خود ساختہ غیر آئینی دفعات کو ”نافذ“ کرنے کے لیے اپنی جارحانہ اور ظالمانہ کارروائیوں کو ”انقلاب“ کا نام دے رہا ہے جبکہ دوسرا طبقہ ”سول نافرمانی“ کا شور مچا کر اپنے اندر ”خدا کی نافرمانی“ کا چور چھپانے میں مصروف عمل ہے، یہ قوم اسی ”پرانے پاکستان“ میں رہنا چاہتی ہے جس کے لیے ان کے آباء و اجداد نے خون کے دریا عبور کیے۔

”انقلاب“ کی سرخ آندھیاں ”نئے پاکستان“ کا پیش خیمہ کبھی نہیں بن سکتیں، 67 سال ہو چکے میری قوم کے کانوں میں جو نغمہ گونج رہا تھا وہ اب تلک اس کے کانوں میں گونج رہا ہے اور گونجتا رہے گا یہ تیرا پاکستان ہے یہ میرا پاکستان ہے۔ محتاج دعا

تحقیق و ریسرچ میں فکری گمراہی کا تیسرا سبب

مولانا محب اللہ جان

تحقیق و ریسرچ میں نااہلی:

تحقیق و ریسرچ میں فکری گمراہی کے اہم اسباب میں سے ایک سبب نااہلی ہے اور یہ نااہلی جس کام میں بھی پائی جائے اس کام کو بگاڑ کر رکھ دیتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اذا وسد الامر الى غير اهلہ فانظر الساعة (بخاری کتاب العلم) کہ جب بھی کوئی معاملہ اس کے غیر اہل کے سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ مطلب یہ بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ تحقیق کی اہلیت رکھے بغیر لوگ محقق ہونے کا دعویٰ کریں گے اور ایک شخص اہلیت رکھے بغیر اپنی ناقص تحقیق کی بنا پر مجمع علیہ (متفقہ مسائل) کی مخالفت کرنا نظر آئے گا۔

تحقیق و ریسرچ کے اس میدان میں آج تک جتنے لوگ بھی بھٹک چکے ہیں اور ضلالت کے عمیق گڑھے میں جا پہنچے ہیں تو انکی اس ضلالت اور ان کی اس فکری گمراہی میں نااہلی کا یہ سبب سب سے نمایاں ہے۔ یہ ایک عام متفقہ مسلمہ اصول ہے کہ لکل فن رجال کہ ہر فن کے اپنے ماہرین ہوتے ہیں اور ہر فن میں اس کے ماہرین ہی کی آراء و تجاویز کو قبول کیا جاتا ہے، چاہے ان فنون کا تعلق دنیاوی امور کیساتھ ہو یا ان فنون کا تعلق علوم شریعت کے ساتھ ہو۔ اگر کسی کو تحقیق کا ذوق ہے تو اسلام نے تحقیق سے ہر گز نہیں روکا بلکہ ادیان عالم میں اسلام ہی کو وہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس نے تحقیق کی کمال حوصلہ افزائی کی ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ اگر اسلام نے تحقیق و اجتہاد کے اس شعبہ کو جاری و برقرار اور قابل عمل رکھا ہے تو پھر اسے شتر بے مہار

بھی نہیں چھوڑا کہ جو جہاں چاہے، جب چاہے تحقیق جیسے لطیف اور نازک کام کے لئے کمر بستہ ہو جائے اور پھر وہ اپنی ہر قسم کی تحریفات، تلبیسات، ناقصات اور اپنی کج فہمیوں کو تحقیق کا نام دیکر امت مسلمہ میں گمراہی کو فروغ دینے کی کوشش کرے اور تحقیق کے نام پر ہر غیر اسلامی اور غیر شرعی نظریہ، مسئلہ کو اسلامی باور کرانے کی کوشش کرے یا پھر وہ تحقیق کے نام اسلامی تعلیمات اور اس کے مسلمہ و متفقہ عقائد و نظریات پر ہاتھ صاف کرتا رہے اور جب چاہے اپنی تحقیق سے ایک مسلمہ اجماعی عقیدہ کا انکار کر دے اور غیر اسلامی نظریہ کو اسلامی بنانے کے لئے قرآن و سنت میں تاویلات فاسدہ کا ارتکاب کر کے یہودیوں کی پیروی کر لے اور یکتبوں الکتاب بایدیہم ثم یقولون ہذا من عند اللہ کا مصداق حقیقی بن جائے۔ یہاں تک تو فکری گمراہی کے اس اصل سبب کی بات ہو گئی۔ اب دیکھتے ہیں کہ اسلام تحقیق کے بارہ میں کیا نظریہ اپنے ماننے والوں کو دیتا ہے۔

اسلام اور تحقیق:

یہاں چند باتیں ضروری ہے تمام مسلمانوں کا یہ متفقہ، مسلمہ اجماعی عقیدہ ہے کہ اسلام ایک عالمگیر اور ایک ابدی مذہب ہے۔ اسلام کی تعلیمات کسی قبیلہ، علاقہ، قوم تک کے لئے خاص نہیں بلکہ اسلام کی مکمل تعلیمات تمام انسانیت کے لئے یکساں قابل عمل ہیں۔ نماز جیسے حرمین شریفین والوں پر فرض ہے ایسے ہی باقی مسلمانوں پر بھی، زکوٰۃ جیسے ہندوستان والوں پر فرض ہے اسی طرح برطانیہ والوں پر بھی۔ تو اسلام کی اس عالمگیریت و ابدیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ اس کو تمام عالم والوں کے لئے بھی یکساں قابل عمل مانا جائے اور ظاہر بات ہے کہ تمام انسانوں کے حالات ایک جیسے نہیں ہیں تو مختلف احوال کے متعلق شرعی اصولوں کو معلوم

کرنے کیلئے تحقیق کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ تحقیق ریسرچ کے شعبہ کو بھی برقرار، جاری و ساری رکھ کر دائمی طور پر قابل عمل سمجھا جائے۔

۲: دوسری بات یہ ہے کہ اسلام جس طرح تمام انسانوں کے لئے یکساں قابل عمل ہے اسی طرح وہ تمام زمانوں کے لئے بھی یکساں قابل عمل ہے۔ اور زمانہ تغیر پذیر ہے، لہذا تغیر پذیر حالات کے پیش نظر نئے مسائل کا ابھرنا ایک فطری عمل ہے، جس کے لئے تحقیق کی ضرورت اور اہمیت کا کوئی صاحب بصیرت انکار نہیں کر سکتا۔ بات صرف تحقیق کی اہلیت اور اس کے حدود کی ہے اسلام کا مزاج ہے کہ وہ ہر چیز کی تحدید کرتا ہے اور حدود سے تجاوز کی شدید مخالفت کرتا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ اسلام دنیا میں ہر چیز کو اعتدال اور اس کے حدود میں رکھنے کی تعلیم کے لئے ہی آیا ہے تو بالکل بجا ہو گا۔

۳: تیسری بات یہ ہے کہ تحقیق بھی اسلام کی اہم خصوصیات میں سے ہیں جتنی تحقیق بڑھتی جائے گی اسلام کی حقانیت ظاہر ہوتی چلی جائے گی کیونکہ قرآن کے بارے میں فرمایا گیا کہ: لا تنقضی عجا ئبہ: کہ اس کے عجائب و غرائب کبھی بھی ختم نہیں ہوں گے پھر مزید آج تک جتنی تحقیقات اسلام میں ہوئی جتنی کتابیں اسلام کے متعلق اسلامی تاریخ میں لکھی گئی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں دوسرے مذاہب والے اس کے عشر و عشر کو بھی نہیں پہنچتے اور یہ سب تحقیق و ریسرچ کی حوصلہ افزائی ہی کی بدولت ہے جب تحقیق میں بھی اسلام کو ادیان عالم پر خصوصی امتیازی حیثیت حاصل ہے تو اس بنا پر کوئی بھی مسلمان اس چیز کا انکار نہیں کر سکتا، ہاں البتہ تحقیق کی لگام کو نااہلوں کے حوالہ کرنا اسلامی تعلیمات کے ساتھ تو بہت بڑی خیانت اور بددیانتی ہے لہذا ایسی صورت حال قطعاً قابل برداشت نہیں کیونکہ نااہلوں کو اسلام میں تحقیق کی اجازت

دینا یہ دین کے ساتھ تسنخر اور تلاعب تصور ہو گا۔ یہاں تک تو تحقیق کی ضرورت اہمیت اور اسلام میں اس کی حقیقی حیثیت پر بات ہو گئی اب مزید تحقیق کے متعلق چند گزارشات پیش کر دی جاتی ہے تاکہ اس میں کوئی تشکیکی باقی رہ نہ جائے شائد کہ راہ حق کا متلاشی، ام مسلمہ کا غم خوار ان گزارشات کی روشنی میں تحقیق کے سلسلہ میں اپنا صحیح رخ متعین کر سکے اور تحقیق، ریسرچ کا ذوق شوق رکھنے والے احباب سوچ سمجھ کر اس لطیف و نازک میدان میں اپنا قدم رکھیں۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

تحقیق پر تحقیق

یہ پہلی وہ جگہ ہیکہ جہاں علمائے امت نے تحقیق سے منع کیا ہے، وہ یہ ہے کہ جب ایک مسئلہ کی تحقیق ہو چکی ہے اور امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہو چکا ہے تو اب مزید اس پر تحقیق کی گنجائش باقی نہیں رہتی، ایسی صورت میں ایسی تحقیق پر اعتماد کرنا ہے شیوہ مسلمانی ہے، اس لئے کہ تحقیق کا مطلب ہے کسی مخفی چیز کو ظاہر کرنا غیر واضح کو واضح کرنا، مختلف فیہ مسائل میں کسی ایک رائے کو بادل لیل ترجیح دینا، لیکن اب جس مسئلہ کے متعلق یہ سب کام ہو چکے ہو یا فقہائے امت، محدثین، متکلمین، علمائے امت نے تحقیق کر کے اس کا ایک رخ متعین کر لیا ہو اور اس کی ایک جہت پر اتفاق کر لیا ہو تو اب اس پر مزید تحقیق کرنا تحصیل حاصل ہو گا اور ایک فضول اور لغو عمل ہی تصور ہو گا، اس لئے کہ مقصود حقیقت کو واضح کرنا تھا سو وہ تو ہو چکی ہے اب ثابت شدہ چیز کو ثابت کرنے اور تحقیق شدہ چیز پر تحقیق کرنے یہی مطلب نکلتا ہے کہ اس محقق کو اس تحقیق شدہ مسئلہ پر اعتماد و یقین نہیں ہے اور جن لوگوں نے یہ تحقیق کی ہے اس کی نظر میں غیر معتبر ہے اب اسکی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہے پہلی صورت یہ ہے کہ علماء اور فقہائے امت پر یہ عدم اعتماد کس بنیاد پر ہے اگر محض بغض اور دلی عداوت و تنفر

کی بنیاد پر ہے تو پھر فقہاء اور علمائے امت سے بغض ہی انسان کی فکری گمراہی کے لئے کافی و شافی ہے اس لئے کہ اہل حق کی مخالفت سے انسان پر کبھی حق نہیں کھلتا وہ گمراہی پر ہی اڑا رہتا ہے اس لئے کہ حق تو اہل حق کے پاس ہوتا ہے اور حق کے مقابلہ میں باطل اور گمراہی، ہی ہے جو ایسی لوگوں کی قسمت میں آتی ہے، جو اہل حق سے دلی بغض رکھتے ہیں یہ ایک سنگین اور خطرناک ترین مرض ہے اللہ کریم ہم سب کی حفاظت فرمائے اور فکری گمراہی کے اس اہم سبب یعنی اہل حق سے عداوت و تنفر سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

دوسری صورت :

یہ ہے کہ انسان کسی ثابت یا تحقیق شدہ مسئلہ پر عدم اعتماد اپنے علم یا دلیل کی بنیاد پر کرتا ہے تو ایسی صورت میں یہ ضروری ہے کہ جن لوگوں نے یہ تحقیق کی ہے ان سے اس درجہ کے علوم و فنون میں رسوخ اور تقویٰ و صلاح میں کاملیت، فطری ذکاوت حس کی تیزی میں ان سے افضلیت یا کم از کم مطابقت پائی جاتی ہو۔ اس چوٹی کا علم اس کے پاس بھی ہو جن کی تحقیقات پر یہ کوئی رائے قائم کرنا چاہتا ہے ورنہ جو علم و عمل سے کورا ہو، اسلامی علوم و فنون پر جس کی نظر نہ ہونے برابر ہو، یا پھر وہ زمانہ کے مروج افکار و نظریات سے حد درجہ مرعوب و متاثر ہو اور اس کو بنیاد بنا کر ایک نئی تحقیق کی راہ ہموار کرنا چاہتا ہو، تو شاید کے اس بڑھ کر اور کوئی گمراہی ہو اس لئے کہ شرعاً، عقلاً غیر عالم کے لئے عالم کی اتباع، ناقص کے لئے کامل کی اتباع فرض اور لازم ہے اور جو مریض طبیب پر اعتماد یا بھروسہ نہ کرے اس کا انجام ہلاکت کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ ایسے وہ لوگ بھی جو تحقیق میں محققین کا ملین فقہائے امت پر اعتماد و بھروسہ نہ کریں ان کا انجام بھی سوائے فکری گمراہی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ لہذا

ایسے ناقص اور نامکمل کی تحقیقات کو فقہاء امت کے سامنے رکھ کر یہ ہی کہا جاسکتا ہے۔
چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟

الغرض کہ جب ایک مسئلہ کی تحقیق ہو چکی ہو یا وہ قرآن و سنت، اجماع امت سے واضح ہو چکا ہو، ایسے تحقیق شدہ مسائل پر تحقیق انسان کی فکری گمراہی کا سبب بن سکتا ہے لہذا ایسی تحقیقات میں اعتماد کرنا ہی انسان کی فکری گمراہی سے بچنے کا واحد حل ہے۔

مہارت و قابلیت:

دوسری اہم بات یہ ہے کہ انسان جس مسئلہ کی تحقیق کرنا چاہتا ہے وہ سب سے پہلے یہ دیکھے کہ وہ تحقیق طلب مسئلہ کس فن کے متعلق ہے، پھر اس فن میں مطلوب وہ مہارت ضروری ہے جس کے ذریعہ وہ تحقیق کی جاسکے اگر وہ مسئلہ تفسیر کے متعلق ہو تو پھر علوم قرآن میں مہارت شرط ہوگی، اگر تحقیقات حدیث کے متعلق ہے تو پھر علوم حدیث میں مہارت شرط ہوگی اگر اس مسئلہ کا تعلق فقہ سے ہے تو پھر فقہ اور اصول فقہ میں مہارت شرط ہوگی۔ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ کریم نے تو دین کو بہت آسان بنایا ہے پھر اس کو سمجھنے کے لئے اور تحقیق کرنے کے لئے اتنی سخت شرائط کیوں بتائی جارہی ہے؟ دراصل شریعت کے مسائل تین طرح کے ہیں، ایک تو وہ ہیں کہ جو قرآن و سنت یا اجماع امت کے عملی و نقلی تواتر سے صراحت کے ساتھ ثابت ہیں، اب ایسے مسائل پر تحقیق کی کیا ضرورت ہے؟ بلکہ ایسے مسائل جن کتابوں میں موجود ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم کیے جاسکتے ہیں مثلاً نماز کے مسائل، رکعات کی تعداد اور اوقات کی تعیین یا طلاق، نکاح کے مسائل ہیں، دوسرے نمبر پر بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جو مسلمانوں کے عملی تعامل سے ہمارے سامنے موجود

ہیں، جیسے نماز کا طریقہ۔

تیسرے نمبر پر وہ مسائل ہیں کہ جن کا حکم صراحتہ قرآن میں موجود نہیں اور نہ ہی ان پر کوئی اجماع منعقد ہو چکا ہے اور اس کا حل بھی ہمیں معلوم نہیں ایسے نئے مسائل کے حل کے لئے تحقیق کی ضرورت پڑتی ہے اب ثابت اور تحقیق شدہ مسائل کی تحقیق کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ مطالعہ کتب یا تھوڑی بہت جدوجہد سے ایسے مسائل معلوم کیے جاسکتے ہیں ہاں البتہ جن مسائل کا حل قرآن و سنت اور اجماع میں صراحتہ موجود نہیں ہے تو ایسے مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل کرنا اور ان کی اصل حقیقت کو معلوم کرنا اور کسی مشترک علت کی بنا پر حلال یا حرام کا فتویٰ لگانا، ظاہر بات ہے کہ یہ ایک نازک کام ہے جو ہر کسی بس کا روگ نہیں۔ تو ایسے مسائل کے حل کیلئے علوم و فنون میں مہارت کی ضرورت پڑتی ہے، جس کے ذریعہ ان مسائل کو حل کیا جاسکے۔ واللہ اعلم بالصواب

لعنت اللہ علی الکاذبین ہمارا عزم فطرت سے قریب تر صحت مندر زندگی جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت

قائم شدہ 1950ء

رجسٹریشن نمبر 1195

شعبہ جوہری دیتون

دارالخدمت

جوہر زیتون جوڑوں کے درد کا مکمل علاج

تمام نباتات خالق ارض و سماء کے ہی پیدا کردہ ہیں لیکن چند پودوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی مقدس کلام میں فرمایا ہے اور اس طرح ان پودوں کے نام تا ابد کلام الہی میں محفوظ ہو گئے ہیں ان میں زیتون کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے ”قسم ہے انجیر کی اور قسم ہے زیتون اور قسم ہے طور سینا کی اور اس امن والے شہر کی ہم نے انسان کو بہترین انداز میں پیدا فرمایا“ قرآن پاک میں زیتون کا لفظ اس کے نام کے ساتھ چھ مرتبہ آیا ہے۔

فوائد

جوہر زیتون: جوڑوں کا درد کمزور دنا لگ کا درد ختم کرتا ہے۔ جوہر زیتون: پتھوں کی کمزوری، جوڑوں پر سوج، درد ختم کرتا ہے۔ جوہر زیتون: گتھیا، مومروں کا درد مردہ کوڑھی ختم کرتا ہے۔ جوہر زیتون: تمام جسمانی درد ختم کر کے عورت کو عورت بنا دیتا ہے۔

صدق بیانی کی تمام حدود کو ملحوظ رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ نسخہ جوہر زیتون کی ایک ہی خوراک انشاء اللہ ایک مرتبہ تو مریض گھٹنا کو بستر مرگ سے اٹھا دیتی ہے

جوہر زیتون پڑھو ڈاک منگوانے کے لئے 24 گھنٹے ہیلپ لائن

0308-7575668
0345-2366562
0300-2682923

مغالطہ آفرینی

مولانا محمد اشفاق ندیم

قیاس کو نہ ماننے والے اور اس کا شد و مد سے انکار کرنے والے؛ عام لوگوں کے ذہنوں میں ایک شبہ ڈالتے رہتے ہیں کہ فقہاء کرام بالخصوص امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ احادیث شریفہ کے مقابلہ میں اپنے عقل اور قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس پر اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ سبحانک هذا بہتان عظیم۔ درجہ اجتہاد و فقہانیت پر فائز شخصیت کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ حدیث پر عقل کو ترجیح دیتا ہے؛ ایسا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ دسویں صدی ہجری کے مشہور اصولی حضرت امام عبد الوہاب بن احمد بن علی بن احمد الشافعی المتوفی 973ھ نے اس پر بڑی تفصیل سے حضرات فقہاء کرام کے اقوال سے اس شبہ کی تردید کی ہے۔

خصوصاً امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا طرز استدلال بڑی وضاحت کے ساتھ نقل کیا ہے اور ساتھ ساتھ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف اس نسبت کو کہ وہ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں، تعصب قرار دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے امام صاحب کا اپنا قول اس بارے میں نقل کیا ہے:

کذب والله وافتری علینا من یقول عنا اننا نقدم القیاس علی النص وهل یحتاج بعد النص الی قیاس وکان رضی اللہ عنہ یقول نحن لا نقیس الا عند الضرورة الشدیده وذاك اننا ننظر اولاً فی دلیل تلك المسئلة من الكتاب والسنة او اقضية الصحابة فان لم نجد دلیلاً قسناً حیثئذ مسکوتاً عنہ علی منطوق بہ بجامع اتحاد العلة بینہما فی رواية اخرى عن الامام انا ناخذ اولاً بالكتاب ثم

بالسنة ثم باقضية الصحابة ونعمل بما يتفقون عليه فان اختلفوا قسنا حكما على حكم بجامع العلة بين المسئلتين حتى يتضح المعنى وفي رواية اخرى انا نعمل اولاً بكتاب الله ثم بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم باحاديث ابى بكر وعمر وعثمان وعلى رضى الله عنهم وفي رواية اخرى انه كان يقول ما جاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فعلى الراس والعين بابى هو وامى وليس لنا مخالفتة وما جاءنا عن اصحابه تخيرنا وما جاء عن غيرهم فهم رجال ونحن رجال۔

(الميزان الكبيرى للشعرانى ج 1 ص 79)

”اللہ کی قسم اس نے جھوٹ بولا ہے اور ہم پر بہتان باندھا ہے کہ ہم نص پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے نص کے بعد قیاس کی؟ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم صرف سخت ضرورت کے وقت قیاس کرتے ہیں اور ہم سب سے پہلے مسئلہ کی دلیل کتاب اللہ میں دیکھتے ہیں پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فیصلوں میں۔ اگر وہاں دلیل نہ ملے تو پھر ہم قیاس کرتے ہیں جب نص خاموش ہو کہ ان دونوں کے درمیان علت کیا ہے؟ دوسری روایت میں ہے امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم سب سے پہلے کتاب اللہ دیکھتے ہیں پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فیصلے اگر متفق ہوں تو اس پر عمل کرتے ہیں اگر اختلاف ہو تو ہم قیاس کرتے ہیں کہ ان دو مسئلوں کے درمیان علت مشترکہ کیا ہے یہاں تک کہ معنی واضح ہو جاتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے بے شک ہم سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ

کے اقوال پر۔ ایک اور روایت میں ہے انہوں نے فرمایا جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہمارے سر آنکھوں پر، میرے ماں باپ ان پر قربان ہم ان کی مخالفت نہیں کرتے جو کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور جو ان کے علاوہ کہیں گے وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی اس میدان کے آدمی ہیں۔“

امام صاحب کی اس خوبصورت وضاحت کے بعد مزید کچھ کہنے کی ضرورت تو نہیں تاہم اتمام حجت کے لیے چند مسائل ایسے ذکر کر دیتے ہیں جن میں قیاس کا تقاضا اور ہے اور حدیث کا تقاضا کچھ اور ہے۔

یعنی قیاس اور حدیث میں تعارض ہے احناف نے ان مسائل میں قیاس کو چھوڑ کر احادیث پر عمل کیا ہے، چند مسائل درج ذیل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1:

بے ہوشی ہر حال میں وضو کو توڑ دیتی ہے قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ نیند بھی ہر حال میں وضو کو توڑ دے مگر حدیث میں آتا ہے: انما الوضوء علی من نام مضطجعا۔ (سنن ابی داؤد ص 30)

ایک روایت میں ہے: لا یجب الوضوء علی من نام جالسا او قائما او ساجدا۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج 1 ص 121 باب ماورد فی نوم الساجد)

ترجمہ: اگر کوئی آدمی بیٹھے ہوئے سو گیا یا کھڑے کھڑے سو گیا یا سجدہ کی حالت میں سو گیا اس پر وضو کرنا واجب نہیں ہے۔

ان احادیث مبارکہ کی وجہ سے احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ قیام کی حالت میں، سجدہ کی حالت میں یا تشہد کی حالت میں سو جائے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹتا۔

مسئلہ نمبر 2:

اگر کوئی بندہ نماز کی حالت میں تہقہ لگائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس آدمی کا وضو نہیں ٹوٹنا چاہیے کیونکہ وضو توڑنے والی چیزوں میں سے کوئی چیز نہیں پائی گئی۔ جبکہ حدیث میں آتا ہے کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

عن ابی موسیٰ قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بالناس اذ دخل رجل فتردئی فی حفرة کانت فی المسجد وکان فی بصرہ ضرر فضحک کثیر من القوم وهم فی الصلاة فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ضحک ان یعید الوضوء و یعید الصلاة۔

معجم کبیر طبرانی

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اسی دوران ایک آدمی جس کی بینائی کمزور تھی وہ آیا اور مسجد کے گڑھے میں گر گیا (جو صحن میں واقع تھا)۔ اس کو دیکھ کر بہت سارے لوگ نماز ہی میں ہنس پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنسنے والوں کو وضو اور نماز لوٹانے کا حکم صادر فرمایا۔

مسئلہ نمبر 3:

اگر امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے اور مقتدی کھڑے ہو کر پڑھیں تو کیا مقتدیوں کی نماز ہو جائے گی؟ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ مقتدیوں کی نماز چونکہ امام کی نماز سے قوی ہے اس لیے نہیں ہونی چاہیے لیکن حدیث کہتی ہے کہ ہو جائے گی چنانچہ حدیث مبارک میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے مرض الوفا میں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور فجعل ابو بکر یصلی وهو یاتم لصلاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم والناس

بصلۃ ابی بکر والنبی قاعدا۔ (صحیح بخاری ج 1 ص 95)

اور دوسری روایت میں ہے: یصلی قاعدا و ابوبکر یصلی بصلاتہ قائماً والناس یصلون بصلۃ ابی بکر جبکہ ایک اور روایت میں ہے: قال ابو عبد اللہ قال الحمیدی قولہ اذا صلی جالساً فصلوا جلوساً ہو فی مرض القدیم ثم صلی بعد ذالک النبی صلی اللہ علیہ وسلم جالساً والناس خلفہ قیام لم یأمرہم بالقعود وانما یؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح بخاری ج 1 ص 96، 415)

ان احادیث مبارکہ کی وجہ سے احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں اور ان کی نماز ہو جائے گی۔ ان احادیث پر عمل کرتے ہوئے ہم نے عقل و قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4:

اگر نماز کے دوران نمازی کی طہارت ختم ہو جاتی ہے یعنی وضو ٹوٹ جاتا ہے تو نمازی کو چاہیے اپنی جگہ سے چلا جائے دوبارہ وضو کرے اس کے بعد آکر اپنی نماز کی بناء کرے، (یعنی جہاں یہ نماز چھوڑی تھی وہیں سے شروع کرے) اب قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز کی بناء نہ ہو بلکہ نئے سرے سے دوبارہ نماز شروع کی جائے کیونکہ ایک تو وضو کا ٹوٹنا ہی نماز کے منافی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ نماز کی اپنی جگہ سے جانا وضو کرنا اور پھر اپنی جگہ واپس آنا یہ بھی نماز کے منافی ہے۔

مگر حدیث میں آتا ہے کہ وہ اپنی نماز کی بناء کرے (جہاں سے یہ چھوڑ کر گیا وہیں سے شروع کرے)

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"من أصابه قئ أو رعاف أو قلنس أو مذى فليتنصر ف، فليتوضأ. ثم ليبن على صلاته. وهو في ذلك لا يتكلم."

(سنن ابن ماجہ ص 85 باب ماجاء فی البناء علی الصلاة)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی کو نماز میں الٹی آجائے یا نکسیر پھوٹ پڑے یا منہ بھر کر قے آجائے یا مذی آجائے اس کو چاہیے کہ اپنی جگہ سے چلا جائے وضو کرے پھر اپنی نماز کی بناء کرے (جہاں سے یہ چھوڑی تھی وہیں سے شروع کرے) بشرطیکہ درمیان میں کسی سے کلام نہ کیا ہو۔

اس حدیث مبارک کی وجہ سے احناف کا مسلک یہ ہے کہ وہ آدمی دوبارہ نئے سرے سے نماز نہ پڑھے بلکہ اپنی نماز کی بناء کرے (جہاں پر چھوڑی تھی وہیں سے شروع کرے) ہم نے حدیث کی وجہ سے عقل و قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 5:

اگر کوئی آدمی نماز کی حالت میں بھول کر بات کر لے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے اگر کوئی روزہ کی حالت میں بھول کر کھانی لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا اب قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا روزہ بھی ٹوٹ جانا چاہیے جس طرح بھول کر بولنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، مگر حدیث مبارک میں ہے: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا نسی فاکل او شرب فلیتم صومه۔۔۔۔۔ الحدیث۔

(صحیح بخاری ج 1 ص 259 باب الصائم اذا اکل او شرب ناسیا)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی روزہ کی حالت میں بھول کر کھا اور پی لے تو اس کو چاہیے اپنے روزے

کو پورا کرے۔

اس حدیث مبارک کی وجہ سے احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی روزہ کی حالت میں بھول کر کھا اور پی لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا ہم نے حدیث مبارک کی وجہ سے عقل و قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 6:

اگر کوئی بندہ روزے کی حالت میں جان بوجھ کر قے کرے تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اب قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا روزہ نہیں ٹوٹنا چاہیے اس لیے کہ اس نے اندر سے باہر چیز نکالی ہے اندر کوئی چیز داخل تو نہیں کی اور روزہ نام ہے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رکنے کا (یعنی اس وقت میں کوئی چیز اندر داخل نہیں کر سکتا) اس لیے اس کا روزہ برقرار رہنا چاہیے، حدیث میں آتا ہے کہ اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ذرعه قیئ وهو صائم فلیس علیہ قضاء وان استقاء فلیقض۔ (سنن ابی داود ص 324 باب الصائم ینسقی عامدا)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کا روزہ نہیں ٹوٹتا جس پر روزہ کی حالت میں الٹی غالب آجائے اور اس پر قضاء بھی نہیں ہے اور اگر جان بوجھ کر الٹی کرتا ہے تو اس پر قضاء ہے یعنی اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اس حدیث کی وجہ سے احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر جان بوجھ کر کوئی آدمی الٹی کرتا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر اس کی قضاء لازم ہوگی ہم نے عقل و قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7:

اعتکاف واجب کے لیے روزہ رکھنا شرط ہے اب قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ روزہ شرط نہیں ہونا چاہیے کیونکہ روزہ ایک مستقل عبادت ہے اعتکاف ایک مستقل عبادت ہے اگر اس کو دوسری عبادت کے لیے شرط قرار دیں تو یہ مستقل عبادت نہیں رہے گی، مگر حدیث میں آتا ہے: عن عائشة رضی اللہ عنہا انہا قالت لا اعتکاف الا بصوم۔۔۔ ایک اور روایت میں ہے: عن عائشة رضی اللہ عنہا ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا اعتکاف الا بصیام، ایک اور روایت میں ہے: عن ابن عمر عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہما انه قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اذهب فاعتکفه وصمه۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج 4 ص 17، 316 باب المعتکف یصوم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں ہے بغیر روزے کے اعتکاف نہیں ہوتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے میں نے جبرائیل والے دن آپ علیہ السلام کو بتایا کہ آج حضرت علی رضی اللہ عنہ اعتکاف کر رہے ہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا جاؤ اور اس سے کہو اعتکاف بھی کرے اور روزہ بھی رکھے۔

ان روایات کی وجہ سے احناف کا مسلک یہ ہے کہ واجب اعتکاف میں روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے ہم نے عقل و قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔

نوٹ: واجب اعتکاف کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ سنت اعتکاف تو ویسے رمضان المبارک میں ہی ہوتا ہے اس لیے وہاں تو روزہ رکھنا ویسے ہی انسان پر فرض ہے اور نفلی اعتکاف تو ہوتا ہی نفل ہے اور وہ تھوڑی دیر کا بھی ہو سکتا ہے اس لیے اس میں روزہ رکھنا کوئی ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 8:

عورت جب ماہواری کی دنوں میں ہوتی ہے تو اس کے لیے نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا یہ جائز نہیں ہوتا۔ اب قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ پاکی کے ایام میں نماز اور روزہ دونوں کی قضاء کرے یا پھر نماز کی قضاء تو ضرور کرے کیونکہ نماز باقی تمام عبادات کے مقابلہ میں اہم عبادت ہے لیکن حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ پاکی کے ایام میں روزوں کی قضا کرے گی نماز کی قضا نہیں کرے گی۔

عن معاذۃ قالت سألت عائشۃ فقلت ما بال الحائض تقضى الصوم ولا تقضى الصلاة فقالت احرورية انت قلت لست بحرورية ولكنی اسأل قالت کان یصیبنا ذالک فنؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلاة۔

(صحیح مسلم ج 1 ص 153)

ترجمہ: حضرت معاذہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ حائضہ عورت روزہ کی قضا تو کرتی ہے لیکن نماز کی نہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا تم اس میں مبتلا ہو؟ میں نے عرض کی نہیں میں مسئلے کی وضاحت چاہتی ہوں آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جب ہماری یہ حالت ہوتی تھی تو بس ہمیں روزے کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا نماز کی قضا کا نہیں۔

اس حدیث کی وجہ سے احناف کا مسلک یہ ہے کہ حیض والی عورت صرف روزوں کی قضا کرے نمازوں کی قضا نہ کرے۔ ہم نے اس حدیث مبارک پر عمل کرتے ہوئے عقل و قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 9:

جب کوئی آدمی فوت ہو جاتا ہے تو اس کی وراثت اس کی اولاد میں ایسے تقسیم

ہوتی ہے کہ لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ ملتا ہے اب قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ لڑکی کمزور ہے اس کو دو حصے ملنے چاہئیں جبکہ لڑکا طاقت ور اور جوان ہے اس کو ایک حصہ ملنا چاہیے لیکن قرآن و حدیث میں ہے کہ لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ دیا جائے۔ ہم نے قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہوئے عقل و قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 10:

شریعت میں اہل تفسیر اس کو کہتے ہیں جو تفسیر کا ماہر ہو اہل حدیث اسے کہتے ہیں جو حدیث کا ماہر ہو اور اہل تاریخ اسے کہتے ہیں جو تاریخ کا ماہر ہو اب قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اہل السنۃ بھی اس کو کہا جائے جو سنت کا ماہر ہو جس طرح دو حدیثوں پر عمل کرنے کی وجہ سے بندہ اہل حدیث نہیں بنتا دو آیتوں کی تفسیر جاننے کی وجہ سے مفسر اور اہل تفسیر نہیں بنتا اسی طرح صرف سنت پر چلنے کی وجہ سے اہل السنۃ بھی نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کے لیے سنت میں مہارت شرط ہو لیکن سنت پر عمل کرنے والے کو چونکہ حدیث میں اہل السنۃ کہا گیا ہے اس لیے احناف بھی اس کو اہل السنۃ کہتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی هذه الآية قال تبييض الوجوه وتسوده وجوه قال تبيض وجوه اهل السنة والجماعة۔

(تفسیر درمنثور ج 2 ص 111)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آیت کریمہ یوم تبيض وجوه کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ اہل السنۃ والجماعت ہوں گے۔

اصحاب پیغمبر کی اس تفسیر کی وجہ سے ہم نے عقل و قیاس کو چھوڑ دیا ہے اور سنت پر عمل کرنے والے کو اہل السنۃ کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاندین اور مخالفین کو عقل سلیم عطا فرمائے۔

فقہ اسلامی کی بہاریں

مولانا محمد اسحاق

تاریخ میں وہ سنہری دور بھی گزرا ہے جب مسلمانوں کے عدل و انصاف، شان و شوکت اور سطوت سے پوری دنیا امن و سکون اور راحت چین پاتی تھی۔ وہ دیکھیے کہ حدودِ فرانس سے تین بادشاہ فریادی بن کر دربارِ خلافت کی طرف آرہے ہیں جہاں کہیں قیام کرتے ہیں ان کو دیکھنے کے لیے جمع ہو جاتے کہ بادشاہوں نے درخواستیں ہاتھوں میں پکڑی ہوئی ہیں اور اپنی اپنی حکومت کو امیر المومنین سے منظور کرانے کے لیے دربارِ خلافت کی طرف جارہے ہیں۔ جب دوسرے عیسائی بادشاہ کو علم ہوا کہ فلاں فلاں بادشاہ نے امیر المومنین سے اپنی حکومت کو تسلیم کر لیا ہے۔ تو یکے بعد دیگرے دوسرے عیسائی بادشاہوں نے خود حاضر ہو کر یا اپنے سفیروں کو دربارِ خلافت بھیج کر یوں درخواست و التجا کی کہ ہم دربارِ خلافت کے غلام ہیں۔ اپنی اپنی ریاست کو عطیہ سلطانی سمجھتے ہیں۔ اطاعت و فرمانبرداری کی شرائط بجالانے میں مطلق تاویل و انکار نہیں ہے لہذا ہم کو ہماری ریاستوں کی سندیں پھر عطا ہوں اور ہمارے اظہارِ اطاعت کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا جائے۔

ممکن ہے کہ کوئی پڑھنے والا یہ سوال کر بیٹھے کہ جناب آپ نے یہ خواب کب دیکھا تھا۔ تو عرض ہے کہ یہ خواب نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے اور ایسی حقیقت ہے کہ چھپائے بھی نہیں چھپ سکتی۔ تاریخِ اسلام کو پڑھ کر دیکھیے ایسا بارہا ہو چکا ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اس وقت کے حکمران قانونِ اسلامی پر عمل پیرا تھے اس سے بھاگتے نہیں تھے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ مسلمان حکمران جب تک

اسلامی قانون پر عمل پیرا رہے ہیں اس وقت تک انہوں نے دنیا پر شاہی کی ہے۔ اسلامی قانون پر عمل چھوڑا ہے تو دوسروں کو شاہی کرنے کا حق دینے والے خود غیروں کے رحم و کرم پر حکومتیں حاصل کرنے لگے۔ مسلمانوں میں لائق حکمرانوں کی کمی نہیں ہے اگر کسی چیز کی کمی ہے تو وہ اسلامی قانون کو نافذ کرنے کی کمی ہے۔ اگر مسلمان حکمران آج بھی احکامات الہیہ کو وطن عزیز میں عملاً نافذ کر دیں تو دنیا کی ساری طاغوتی قوتیں مسلمانوں کے تلوے چاٹنے پر مجبور ہو جائیں گی۔

انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ جب کبھی اسلامی قانون کو نافذ کرنے کی بات ہوتی ہے تو یہاں آکر ختم ہو جاتی ہے کہ کون سا قانون نافذ کیا جائے؟ بریلوی قانون، دیوبندی قانون، سنی قانون یا شیعہ قانون۔ حالانکہ وطن عزیز کی 95 فیصد آبادی اسلامی قانون یعنی فقہ حنفی پر متفق ہے اور خود کو حنفی کہلانے کو باعثِ ناز و افتخار سمجھتی ہے 5 فیصد اقلیتیں ہیں اور اقلیتوں کے حقوق کا اسلامی فقہ میں مکمل طور پر لحاظ کیا گیا ہے۔

فقہ اسلامی جس کا دوسرا نام اسلامی قانون ہے یہ ایک ایسا نظامِ حیات ہے جس کی اساس اور جڑیں شریعت الہیہ میں ہیں جن کے ثمرات اور برکات سے انسانی زندگی کا ہر پہلو مستفید اور متمتع ہوتا ہے جس نے کم و بیش بارہ سو سال تک دنیا کے انتہائی متمدن اور مہذب ممالک اور سلطنتوں کو قانونی، انتظامی اور ادارتی راہنمائی فراہم کی ہے اور اس نے ماضی میں نہ صرف کروڑوں بلکہ اربوں انسانی زندگیوں کو منظم کیا ہے۔

یہ ہماری دانستہ یا نادانستہ، خود اختیاری یا جبری کوتاہی کا نتیجہ ہے کہ ہم نئے نئے مسائل کا شکار ہو کر نئے نئے تجربے تو کرتے ہیں لیکن اس زندہ جاوید قانون کو

لاگو نہیں کرتے جس کے نفاذ میں ہماری تمام پریشانیوں اور مسائل کا حل موجود ہے۔
 فقہ اسلامی میں آج بھی اتنی قوت موجود ہے کہ اس پر عمل کرنے سے آدمی
 مکمل آزادی کے ساتھ اپنے تمام حقوق آسانی کے ساتھ حاصل کر سکتا ہے۔ ایک
 مسلمان اس بات کو بڑے دعوے کے ساتھ نوٹ کرتا ہے کہ اسلامی شریعت یا اسلامی
 فقہ جس پر آج مسلمان یا تو عمل نہیں کر پار ہے یا ان کو ایسا کرنے کا موقع نہیں دیا جا رہا
 لیکن ہمیں امید ہے اور بطور ایک مسلمان کے اس بات کا یقین ہے کہ ضرور ایک دن
 ہماری زندگی کے تمام پہلو اور زندگی کے تمام گوشے اسلامی شریعت کی راہنمائی سے
 مستفید ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔

احناف میسج سروس

AddAMS313 لکھ کر 9900 پر سینڈ کریں اور حاصل کریں

روزانہ مسلک اہل السنۃ والجماعت کے عقائد، مسائل اور مسنون دعاؤں

کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کی اہم اہم خبریں

03003166018

مزید تفصیلات کے لیے:

فقہ مدینہ سیدنا سعید بن المسیب رحمہ اللہ

مولانا محمد عاطف معاویہ

مختصر تعارف :

تیسری صدی کے مشہور عالم حضرت امام محمد بن سعد رحمہ اللہ التوفیٰ 230ھ نے اپنی مشہور کتاب الطبقات الکبریٰ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد فقہاء و مفتیان مدینہ کا تذکرہ کرتے ہوئے سب سے پہلا نام سیدنا ابن المسیب رحمہ اللہ کا ذکر کیا ہے۔

آپ رحمہ اللہ کی ولادت سیدنا عمر بن خطاب کے دور خلافت میں ہوئی آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زیارت کی اور بقول امام ذہبی آپ نے حضرت عمر کے کچھ فرامین بھی سنے حضرت عمر کے علاوہ آپ نے مظلوم مدینہ سیدنا عثمان ذوالنورین، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو ہریرہ اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ جیسے کبار صحابہ سے علم حاصل کیا اور اپنے دور میں مخلوق خدا کی علمی پیاس بجھائی۔

علمی و فقہی مقام

1: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قسم اٹھا کر آپ کے مقام کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: هو والله احد المبغییین

(تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 44)

خدا کی قسم وہ جید مفتیان میں سے ہیں۔

جس شخص کے مقام کو عبد اللہ بن عمر جیسا صحابی قسم اٹھا کر بیان کرے اس کی علمی سطح کتنی بلند و ارفع ہوگی۔

2: حضرت امام ابن سعد؛ امام قدامہ بن موسیٰ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:
کان سعید بن المسیب یفتی واصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احياء۔

(الطبقات الکبریٰ ج 2 ص 379)

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب صحابہ کرام کی زندگی میں بھی فتویٰ دیا کرتے تھے۔

3: امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ امام لیث کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

کان سعید بن المسیب یرکع رکعتین ثم یجلس فیجتمع الیه ابناء
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من المهاجرین والانصار فلا یجترء احد
منهم ان یسئله الا ان یتدءهم بحديث او بمجیئ سائل فیسئل فیسبعون۔

(الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ج 3 ص 81)

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ دو رکعت پڑھنے کے بعد علمی مسائل کے
لیے بیٹھ جاتے آپ کی مجلس میں مہاجرین و انصار صحابہ کی اولاد بھی اپنی علمی پیاس
بجھانے کے لیے جمع ہو جاتیں لیکن آپ کے رعب کی وجہ سے کوئی آپ سے سوال
نہیں کر سکتا تھا ہاں جب آپ خود بات شروع فرماتے یا کوئی باہر سے سائل آتا وہ مسئلہ
پوچھتا آپ بتاتے تو شرکاء مجلس بھی مستفید ہوتے۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کی اولاد آپ سے جا کر دین کی تعلیم حاصل کرتی تھی۔

چند مسائل:

آپ کے نزدیک نکیر آنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے، چنانچہ یزید بن عبد اللہ
بن قسیط لیش سے روایت ہے: انه رأى سعید بن المسیب رَعَفَ وَهُوَ یُصَلِّي فَأَتَى حُجْرَةَ
أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ رَجَعَ فَبَنَى عَلَى مَا
قَدْ صَلَّى۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث 112 باب ما جاء فی الرعاف)

ترجمہ: عبد اللہ بن قسیط کہتے ہیں حضرت سعید بن مسیب نماز پڑھ رہے تھے تو آپ کو نکسیر آگئی آپ فوراً ام المومنین سیدہ ام سلمہ کے حجرہ میں تشریف لے گئے وضو کیا اور واپس آکر جو نماز باقی تھی اس کو مکمل فرمایا۔

2: حضرت ابن مسیب کے نزدیک باجماعت نماز میں امام کے پیچھے خاموش رہنا چاہیے امام کے پیچھے قرات کرنے کی ضرورت نہیں آپ کا فرمان ہے: انصت للامام (مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 377)

ترجمہ: امام کے پیچھے خاموش رہو۔

3: انسان زندگی گزارنے میں اسباب کا محتاج ہے تندرستی و صحت کے لیے بیماری کو ختم کرنے والی ادویات استعمال کرتا ہے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ ادویات کا استعمال شرک ہے سوال کیا جائے کہ کیوں؟ تو جواب دیا جاتا ہے کہ قرآن میں ہے واذا مرضت فهو يشفين کہ میں جب بیمار ہوتا ہوں تو اللہ ہی مجھے شفا دیتا ہے قرآن کہتا ہے اللہ شفا دیتا ہے تم ادویات استعمال کر کے شرک کرتے ہو؟ تو اسے جوابا کہا جائے گا کہ شفاء تو اللہ ہی دیتا ہے یہ ادویات اسباب کے درجہ میں ہیں اب اگر کوئی حلال چیز سے بنی ہوئی دوائی استعمال کرے تو وہ جائز ہے اور اگر حرام چیز سے بنی ہو تو وہ حرام ہے، اب اگر کوئی کہے کہ دوائی لینا جائز نہیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے دلیل پوچھی جائے تو وہ احادیث پڑھے جن میں حرام اشیاء سے بنی ادویات منع ہیں تو اسے کہا جائے گا دوائی لینا منع نہیں بلکہ وہ اجزاء منع ہیں جن حرام اجزاء سے یہ مرکب ہے اگر اجزاء ٹھیک ہوں تو دوائی لینا جائز ہے۔

یہی حکم تعویذ کا ہے نہ تو کوئی اسے فرض کہتا ہے نہ واجب اور پھر جائز بھی ہر تعویذ کو نہیں کہتے بلکہ اس کے متعلق ہمارا موقف یہ ہے کہ جو تعویذات قرآنی آیتوں

اور اسماء حسنیٰ اور دوسرے ثابت شدہ اور اد پر مشتمل ہوں ان کو تعویذ بنا کر باندھنا اور لٹکانا جائز ہے اور جس تعویذ میں شرکیہ الفاظ لکھے ہوں تو ان کو تعویذ بنا کر باندھنا اور لٹکانا جائز ہے۔

کیونکہ اس مسئلہ پر احادیث دو طرح کی ہیں جواز کی بھی اور عدم جواز کی بھی اس لئے ہم نے یہ موقف اختیار کیا کہ جن احادیث میں تعویذات 'دم وغیرہ کی ممانعت آئی ہے یا ان کو شرک کہا گیا ہے۔ تو علماء اسلام نے اباحت کے دلائل کے پیش نظر ان کو ایسی صورتوں پر محمول کیا ہے کہ ان میں شرکیہ الفاظ ہوں یا غیر اللہ سے مدد لی گئی ہو یا ایسے کلمات پر مشتمل ہوں جن کا معنی معلوم نہ ہو یا پھر جادو کی قسم سے ہوں یا ان عملیات کو مستقل طور پر مؤثر بالذات سمجھا گیا ہو وغیرہ لہذا وہ عملیات جو ایسے امور اور فساد عقیدے سے مبرا ہوں وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہیں بلکہ وہ جائز ہیں۔

ابو عصمہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے سوال کیا کہ تعویذ کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب چمڑے میں ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 7 ص 396 مَن رُخِّصَ فِي تَعْلِيْقِ التَّعَاوِذِ) نافع نے یحییٰ سعید سے دم اور تعویذ لٹکانے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ حضرت سعید بن مسیب تعویذ لکھ کر لٹکاتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج 9 ص 351 باب التمام)

وفات

آپ کی وفات کس سن میں ہوئی حضرت امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کے متعلق کئی اقوال نقل فرمائے ہیں اور فرمایا راجح قول کے مطابق سنہ 94ھ میں ہوئی۔

اسلام میں غلامی کا تصور

مولانا عبد الرحمن سندھی

مذہب اسلام سے چڑکھانے والوں میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اس کے آفاقی اور ابدی نظام کو مشکوک اور ناقابل عمل بنانے میں مصروف ہے اور اہل اسلام کے اذہان و قلوب میں شک کا بیج بو کر انہیں اسلام کے خلاف بہکانے کیلئے کئی طرح کے اعتراضات والزامات اگلتا رہتا ہے۔ ان کے انہی شبہات میں سے اسلام کا ایک ”مسئلہ غلامی“ بھی ہے۔

یار لوگوں نے اس مسئلہ کو اٹھا کر اسلام کی روشن جبین کو داغدار کرنے کی ناکام کوشش کی۔ حالانکہ مسئلہ غلامی اسلام کا پیدا کردہ مسئلہ نہیں بلکہ عرصہ قدیم سے چلا آرہا ہے جس کو اسلام نے ختم نہیں کیا بلکہ باقی رکھا ہے۔ آنے والی چند سطور میں مسئلہ غلامی سے متعلق اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسلام کا ایک قاعدہ ہے کہ جن امور میں وہ بلا واسطہ اصلاح کو مشکل پاتا ہے ان کو قائم تو ضرور رکھتا ہے مگر علی حالہ قائم نہیں رہنے دیتا بلکہ بالواسطہ اصلاح کے ایسے طریقے اختیار کرتا ہے جن سے اس کی تمام مضرتیں اور خرابیاں دور ہو جاتی ہیں غلامی کے مسئلے میں بھی اسلام نے یہی کیا۔ غلامی کو مٹانا چند وجوہ کی بنا پر بہت مشکل تھا لہذا اس نے صورت کو تو باقی رکھا مگر بالواسطہ طریقوں سے اس کو اس طرح بدل دیا کہ وہ ایک شدید اجتماعی مضرت کے بجائے ایک شاندار انسان منفعت بن گئی۔

اسلام سے پہلے تو غلامی کا تصور اس حد تک تھا کہ کسی آزاد کو پکڑ کر غلام بنا

دیتے تھے۔ انہیں بچہ دیتے تھے ان کے حقوق کی کوئی پاسداری نہ تھی لیکن جب اسلام کی روشنی دنیا میں آئی تو اس نے آزاد انسان کے بیچنے کو حرام کر دیا اور اس کے لیے اسلام میں سخت وعیدیں آئی ہیں: جیسے صحیح بخاری کتاب البیوع میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حدیث قدسی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں قیامت کے دن تین قسم کے لوگوں کے خلاف میں مدعی بنوں گا اور جس کے خلاف میں مدعی ہوا اس پر میں ہی غالب آؤں گا۔ ان میں سے ایک شخص وہ ہے جو کسی آزاد انسان کو بیچے۔ اسی طرح اسلام نے غلاموں کے حقوق کی اتنی پاسداری کی کہ ان کے کھانے پینے، رہائش، لباس تک کا خیال رکھا کہ جو خود کھائیں وہی ان کو کھلائیں جو خود پہنیں وہی ان کو پہنائیں حتیٰ کہ عزت نفس کے بارے میں فرمایا جیسے صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد میں روایت موجود ہے۔ جس نے اپنے غلام کو مارا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس غلام کو آزاد کر دے۔ اور اگر وہ غلام یا لونڈی غلطی کریں تو شریعت کا مزاج یہ ہے کہ انہیں معاف کر دیا جائے بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اگر کوئی غلام دن میں ستر بار بھی غلطی کرے تو انہیں ستر دفعہ معاف کرو۔

کیا کوئی دنیا میں ایسی مثالیں پیش کر سکتا ہے؟ یقیناً کوئی نہیں پیش کر سکتا۔ حقائق پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلام کے تصور غلامی پر اعتراض یا تو بغض اور دشمنی کی وجہ سے ہے یا جواز غلامی کی علت کو نہ جاننے کی وجہ سے ہے۔ اسلام کا غلامی کو باقی رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء اسلام سے لے کر اٹھارویں صدی عیسوی تک قیدیوں کے تبادلے کا کوئی خاص رواج یا دستور نہ تھا۔ بہت کم ہی ایسا ہوتا کہ دو دشمن قومیں یا ملک ایک دوسرے کے قیدیوں کی رہائی یا ان کا تبادلہ کرتے۔ لہذا جب مسلمانوں کے آدمی دوسری قوموں کے پاس قیدی ہوتے، تو غلام بنا کر رکھ لیے جاتے

تھے۔ ایسے حالات میں مسلمانوں کے لیے بھی اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ دشمن قوموں کے جو لوگ گرفتار ہو کر آئیں، انہیں غلام بنا کر رکھ لیں تاہم جہاں کہیں تبادلہ کا موقعہ آیا، مسلمانوں نے اسے خوشی خوشی قبول کیا ہے۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری ج 6 ص 176 میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”کہ اگر مسلمانوں کے پاس مشرکین کے قیدی ہوں اور مشرکین کے پاس مسلمانوں کے، اور اپنے اپنے قیدیوں کو چھڑانے پر اتفاق ہو جائے تو اس کا بندوبست کر لیا جائے گا۔“

اسی طرح صحیح مسلم، ترمذی وغیرہ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت موجود ہے۔ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین بنی عقیل کے ایک آدمی کو مسلمانوں کے دو آدمیوں کے بدلہ میں رہا کیا۔“

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام نے اسیران جہاد کو غلام بنانے کی صرف اجازت دی ہے اس کا حکم نہیں دیا کہ یہ فرض یا واجب یا مستحب ہو جیسا کہ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”قیدیوں کو غلام بنا کر رکھنے کی اجازت بھی اس وقت تک ہے جب تک اس کے خلاف دشمنوں سے کوئی معاہدہ نہ ہو اور اگر دشمنوں سے یہ معاہدہ ہو جائے کہ نہ وہ ہمارے قیدیوں کو غلام بنائیں گے نہ ہم ان کے قیدیوں کو تو پھر اس معاہدہ کی پابندی لازمی ہوگی۔ ہمارے زمانے میں دنیا کے بہت سے ملکوں نے ایسا معاہدہ کیا ہوا ہے۔ لہذا جو اسلامی ملک اس معاہدے میں شریک ہیں ان کے لیے غلام بنانا اس وقت تک جائز نہیں۔ جب تک یہ معاہدہ قائم ہے۔“

(معارف القرآن: ج 8 ص 27)

اب اگر کوئی پھر بھی کہے کہ اسلام نے غلامی کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار

کیوں نہیں کیا تو اسے یہ بات سمجھائی جائے گی کہ جب قیدیوں کے تبادلے کا رواج نہ ہو تو غلام بنانے سے بہتر دوسرا کوئی راستہ نہیں کیونکہ اگر غلام نہ بنایا جائے تو پھر عقلاً صرف تین ہی صورتیں ممکن ہیں۔

1: یا تو انہیں آزاد چھوڑ دیا جائے۔

2: یا قتل کر دیا جائے۔

3: یا ہمیشہ کے لیے قیدی بنا کر رکھا جائے۔

اور بسا اوقات یہ تینوں صورتیں مصلحت کے خلاف ہوتی ہیں۔ آزاد چھوڑ دینے میں بعض مرتبہ یہ خطرہ ہوتا ہے کہ دارالحرب میں پہنچ کر وہ مسلمانوں کے لیے دوبارہ عظیم خطرہ بن جائیں گے۔

قتل کرنا اس لیے مناسب نہیں ہوتا کہ بعض قیدی اچھی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں، ان پر محنت کی جاتی ہے تو وہ عظیم نفع بخش بن جاتے ہیں کئی مفسر، محدث، فقیہ اور بادشاہ بنتے ہیں۔

تاریخ میں سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے ایک غلام کا واقعہ لکھا ہے۔ ایک بار سلطان محمود نے ہندوستان پر حملہ کیا اور بہت سے ہندو قیدی بنا لیے گئے، جن کو سلطان اپنے ساتھ ”غزنی“ لے آئے۔ ان میں ایک غلام بہت ہوشیار تھا، اس کو آزاد کر کے سلطان نے ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم دی جب وہ تعلیم سے فارغ ہوا تو اس کو حکومت کے عہدے دیئے گئے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس کو ایک بڑے ملک کا والی بنایا گیا، جس وقت سلطان نے اس کو تخت پر بٹھلایا اور تاج سر پر رکھا تو وہ غلام رونے لگا، سلطان نے فرمایا یہ وقت خوشی کا ہے یا غم کا؟ اس نے عرض کیا بادشاہ سلامت اس وقت مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے اور آج اپنی اس قدر و منزلت کو دیکھ کر

رونا آ رہا ہے۔ حضور! میرا بچپن تھا یہ وہ وقت تھا کہ جب ہندوستان میں آپ کے حملوں کے تذکروں سے ہندو کا پتہ تھے اور ان کی عورتیں اپنے بچوں کو آپ کا نام لے کر ڈرایا کرتی تھیں جیسا ہوا سے ڈرایا کرتی ہیں، میری ماں بھی مجھے اسی طرح آپ کے نام سے ڈرایا کرتی تھیں میں سمجھتا تھا کہ نہ معلوم محمود کیسا ظالم و جابر ہو گا۔؟ حتیٰ کہ آپ نے خود ہمارے ملک پر حملہ کیا اور اس فوج سے آپ کا مقابلہ ہوا جس میں یہ غلام موجود تھا۔ اس وقت تک میں آپ کے نام سے بھی ڈرتا تھا پھر میں آپ کے ہاتھوں قیدی ہوا تو میری جان ہی نکل گئی کہ بس اب خیر نہیں مگر حضور نے دشمنوں کی روایات کے خلاف میرے ساتھ نیک برتاؤ فرمایا کہ آج میرے سر پر تاج سلطنت رکھا جا رہا ہے۔ تو اس وقت میں خیال کر کے رونے لگا کہ کاش آج میری ماں زندہ ہوتی تو میں اس سے کہتا کہ ”دیکھ یہ وہی محمود ہے جس کو ہوا بتلایا کرتی تھی۔“

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اس کو قتل کر دیا جاتا تو مخالفین جتنا شور و غل مسئلہ غلامی پر کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ اس وقت کرتے کہ دیکھیے کیا سخت حکم ہے کہ قیدیوں کو فوراً قتل کر دیا گیا۔

تیسری صورت کہ انہیں ہمیشہ کے لیے قیدی بنا کر آج کل کی طرح کسی الگ تھلگ جزیرے میں ڈال دیا جائے، جیل خانوں میں بند کر دیا جائے اور وہاں رکھ کر ان کو روٹی کپڑا دیا جائے یہ صورت گویا کہ آج کل کے بعض متمدن سلطنتوں میں پسندیدہ ہے مگر اس میں چند خرابیاں بھی ہیں۔

ایک یہ کہ اس سے سلطنت پر بڑا بار عظیم پڑتا ہے، پھر جیل خانے کی حفاظت کے لیے ایک خاص فوج مقرر کرنا پڑتی ہے۔ قیدیوں کی ضروریات کے لیے بہت سے آدمی ملازم رکھے جاتے ہیں، یہ سارا عملہ بیکار ہو جاتا ہے۔ سلطنت

کے کسی اور کام میں نہیں آسکتا قیدیوں ہی کی حفاظت کا ہو کر رہتا ہے۔

پھر تجربہ شاہد ہے کہ جیل خانہ میں رکھ کر آپ چاہے قیدیوں کو کتنی ہی راحت پہنچائیں ان کی ان کو کچھ قدر نہیں ہوتی کیونکہ آزادی سلب ہونے کا دلی صدمہ ان کو اس قدر ہوتا ہے کہ وہ آپ کی ساری خاطر مدارات کو بیکار سمجھتے ہیں تو سلطنت کا اتنا خرچ بھی ہوا اور سب بے سود کہ اس سے دشمن کی دشمنی میں کمی نہ آئے پھر قید خانے میں ہزاروں لاکھوں قیدی ہوتے ہیں وہ سب کے سب علمی اور تمدنی ترقی سے بالکل محروم رہتے ہیں اور یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔

لہذا اسلام نے اس کے بجائے یہ حکم دیا کہ جتنے قیدی گرفتار ہوں سب لشکر والوں کو تقسیم کر دو اس سے سلطنت بھی بوجھ سے بچ جائے گا، چونکہ ہر شخص کو اپنے قیدی سے خدمت لینے کا حق بھی ہے وہ اس کو روٹی کپڑا جو کچھ بھی دے گا اس پر گراں نہ ہو گا، کیونکہ وہ سمجھے گا کہ میں اس سے خدمت بھی لیتا ہوں اور مجھے کمائی کر کے بھی دیتا ہے۔ پھر چونکہ غلام کو چلنے پھرنے سیر و تفریح کرنے کی آزادی بھی ہوتی ہے، قید خانے میں بند نہیں ہوتا اس لیے اس کو اپنے آقا پر غصہ نہیں آتا جو جیل خانے کے قیدی کو آتا ہے۔ اس حالت میں اگر آقا نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو اس کا احسان دل میں گھر کر لیتا ہے اور وہ اس کے گھر کو اپنا گھر اور اس کے گھر والوں کو اپنا عزیز سمجھنے لگتا ہے، یہ سب باتیں ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اس صورت میں غلام علمی اور تمدنی ترقی بھی خوب کر سکتا ہے کیونکہ جب آقا غلام میں اتحاد ہو جاتا ہے تو آقا خود چاہتا ہے کہ میرا غلام مہذب اور سنجیدہ طبیعت کا مالک ہو، وہ اس کو تعلیم بھی دلاتا ہے، صنعت و حرفت بھی سکھاتا ہے چنانچہ اسلام میں صدہا علماء محدث، مفسر، فقہاء اور بڑے دانشور گذرے ہیں جو اصل میں موالی (آزاد کردہ غلام) تھے۔ غلاموں کے طبقہ

نے تمام علوم و فنون میں ترقی حاصل کی بلکہ بعض غلاموں کو بادشاہی بھی نصیب ہوئی ہے۔ بہر حال ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ ان میں سے بہتر صورت کون سی ہو سکتی ہے۔ بالخصوص جبکہ غلاموں کے حقوق کے بارے میں اسلام کے نظریے کو اپنایا جائے جو انتہائی حسن سلوک والا ہے۔

قارئین کرام! اتنی حقوق کی پاسداری کے باوجود پھر بھی اسلام نے ان کو ہمیشہ کے لیے غلامی کے خول میں بند نہیں کیا بلکہ ان کی آزادی کے لیے مختلف مواقع فراہم کیے۔ مثلاً غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب، حصول آزادی میں غلاموں کے ساتھ مدد کی ترغیب، مختلف گناہوں کے کفاروں میں غلاموں کی آزادی کا بیان۔ قتل خطا کا کفارہ، ظہار کا کفارہ، قسم توڑنے کا کفارہ، روزے کی حالت میں جماع کرنے کا کفارہ، غلام کو ناحق چھڑ مارنے کا کفارہ، اسی طرح ام ولد کی آزادی وغیرہ وغیرہ۔

اب رہی یہ بات کہ اسلام نے غلامی کو قطعاً ممنوع اور ختم ہی کیوں نہ کر دیا؟ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اسلام نے اسے محض ایک جنگی ضرورت کی حیثیت سے باقی رکھا ہے اور یہ ضرورت ایسے موقع پر پیش آسکتی ہے جبکہ ہمارا کسی دشمن سے اسیران جنگ کے تبادلے یا فدیے پر رہائی کا معاہدہ نہ ہو سکے اور ہماری حکومت جنگی قیدیوں کو بلانہ دیہ و بلا مبادلہ چھوڑ دینا ملکی مصالح کے خلاف سمجھے۔

چند استثنائی صورتوں اور شاذ مواقع سے قطع نظر کر کے دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں اٹھارویں صدی عیسوی تک اسیران جنگ کے تبادلے کا طریقہ رائج نہ تھا اور نہ اس امر کا کوئی امکان تھا کہ مسلمان حکومتیں دشمن کے جنگی قیدیوں کو چھوڑ کر اپنے جنگی قیدیوں کو چھڑا سکتیں اور اب اگر دنیا میں تبادلہ اسیران جنگ کا طریقہ رائج بھی ہوا ہے تو وہ کسی مذہبی حکم کی بنا پر نہیں بلکہ ایک مصلحت کی بنا پر ہے۔

جسے کوئی قوم جب چاہے نظر انداز کر سکتی ہے۔

آج بھی یہ ناممکن نہیں ہے کہ ہمارا کسی ہٹ دھرم دشمن سے سامنا ہو جائے جو تبادلہ کی تجویز کو ٹھکرا دے اور ہمارے قیدیوں کو کسی شرط پر بھی چھوڑنے کے لیے راضی نہ ہو۔ اب آپ سوچیں کہ اگر اسلام ہمیں بہر حال جنگی قیدیوں کی رہائی کا پابند کر دیتا تو کیا یہ حکم ہمارے لیے وجہ مصیبت نہ بن جاتا؟ کیا کوئی بھی قوم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس نقصان کی متحمل ہو سکتی ہے کہ یہ لڑائی میں اس کے آدمی دشمن کے پاس قید ہوتے رہیں اور وہ دشمن کے آدمیوں کو چھوڑتی چلی جائے؟ کیا کوئی دشمن بھی ایسا بیوقوف ہو سکتا ہے کہ وہ ہم سے اسیروں کے تبادلے کا معاہدہ کرنے پر آمادہ ہو جبکہ اسے یہ اطمینان ہو کہ ہم بہر حال اپنے مذہبی احکام کی بنا پر اس کے آدمیوں کو چھوڑنے پر مجبور ہیں؟ مندرجہ بالا ساری بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کا مسئلہ اسلام میں انسان دشمنی کے بجائے انسان دوستی پر منحصر ہے۔

حج و عمرہ سروس
گورنمنٹ لائسنس نمبر
LHR-4005



ورلڈ وائس کرکٹ ٹیلیویژن

عمرہ کی بکنگ
جاری ہے

چیف ایگزیکٹو

قاری حیات اللہ عثمانی

خصوصی پیکیجس ویزہ اور ٹکٹ
کنفرم ہونے کے
بعد رقم وصول کی جائے گی

نمایاں خصوصیات
تمام ایئر لائنز کی اندرون
اور بیرون ممالک کیلئے
ٹکٹ کنفرم کروائیں

فیصل پلازہ گلبرگ چوک میانوالی شہر

آفس

0300-6025553/0321-6350553/0459-236553

رشوت..... مسلم معاشرے میں ایک ناسور!!

اسلام نے ہر اس ذریعہ اکتساب کو منع اور حرام قرار دیا ہے جس میں کسی کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ کمایا جائے۔ انہیں حرام ذرائع میں سے ایک نہایت قبیح ذریعہ اکتساب رشوت ہے، جو شریعت کی نظر میں انتہائی جرم ہے اور یہ جرم آج ہمارے معاشرے میں ناسور کی مانند پھیل چکا ہے، جس کا سد باب مسلمان معاشرے کے لئے ضروری ہے۔

وہ مال ہے جو حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے دی جائے۔ رشوت کہلاتا ہے۔ قرآن حکیم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے کھانے کو منع فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ۔“

ابن جریرؒ نے حضرت جابرؓ سے نقل فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امراء کو ہدیہ دینا خیانت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً رشوت لینے دینے کو منع فرمایا ہے۔
حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے ارشاد نبوی نقل کیا ہے: لعن اللہ الراشی والہرثشی والرائش الذی یمشی بینہما ”اللہ تعالیٰ نے رشوت کھانے اور کھلانے والے اور جو دونوں کے درمیان معاملہ طے کرتا ہے، ان سب پر لعنت فرمائی ہے۔“
امام احمدؒ فرماتے ہیں: امور سلطنت سے متعلقہ کسی کام کا جو شخص ذمہ دار ہو گا، اس کیلئے کسی قسم کا تحفہ قبول کرنے میں ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔ ہاں اس منصب پر فائز ہونے سے قبل جس کسی سے اس کا تعلق ہو گا اس سے تحفہ قبول کرنا مستثنیٰ ہو گا

رشوت دینے کی چند ممکنہ صورتیں:

1: حصول منصب کے لیے رشوت دینا۔ درحقیقت کوئی منصب اور ذمہ داری نااہل کے حوالے کرنے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت کی بربادی سے تعبیر کیا ہے، اور امانت کو برباد کرنا حرام ہے۔

2: ادارے کی جانب سے رہائش کے حصول کے لیے رشوت دینا، خصوصاً جب کہ یہ ابھی اس کا استحقاق نہ رکھتا ہو۔

3: ملازمت برقرار رکھنے کے لیے رشوت دینا۔

4: غیر حق دار کو رشوت لے کر نوکری دینا۔

5: کسٹم ڈیوٹی سے بچنے کے لیے رشوت دینا۔

6: سرکاری بلوں میں کٹوتی کے لیے رشوت دینا۔

7: کسی ادارے کا کوئی ٹھیکہ حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا۔

8: گاڑی والے کا پولیس کو رشوت دینا۔

9: ایک شہر سے دوسرے شہر مال لے جانے پر رشوت دینا۔

مندرجہ بالا تمام صورتوں میں اپنے مقصد کے حصول کے لئے اگر کوئی کہیں رشوت دے رہا ہے تو اس کی توبہ و استغفار کے ذریعے برأت کی کچھ گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن لینے والا بہر صورت گنہگار ہوگا۔

دواء ساز کمپنی کا ڈاکٹر کو رشوت دینا:

یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ طب اور ڈاکٹری ایک ایسا شعبہ ہے جس میں ڈاکٹر کا مریض کی مصلحت اور خیر خواہی کو مد نظر رکھنا شرعی اور اخلاقی تقاضا ہے، اس کی بناء پر ڈاکٹر اور مریض کے معاملے کی ہر وہ صورت جو مریض کی مصلحت اور فائدے کے

خلاف ہو یا جس میں ڈاکٹر اپنے پیشے یا مریض کے ساتھ کسی قسم کی خیانت یا بددیانتی کا مرتکب ہوتا ہو، وہ درست نہیں، لہذا اگر ڈاکٹر محض اپنے مالی فائدے یا کسی قسم کی ذاتی منفعت ہی کو ملحوظ رکھتا ہے اور مریض کی مصلحت اور فائدے سے صرف نظر کرتے ہوئے علاج تجویز کرتا ہے تو یہ دیانت کے خلاف ہے، جس کی وجہ سے ڈاکٹر گناہ گار ہو گا اور اگر صورت حال ایسی نہیں تو پھر ڈاکٹر گناہ گار نہیں ہو گا۔

اگر ڈاکٹر مندرجہ ذیل شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے کسی مخصوص کمپنی کی دوائی مریض کو لکھ کر دیتا ہے اور پھر اس کے بدلے دواساز کمپنیوں کی طرف سے ڈاکٹر کو جو کمیشن، یا تحائف وغیرہ کی صورت میں دیگر مراعات ملتی ہیں، ڈاکٹر کے لیے ان کا لینا جائز ہے، لیکن چند شرائط کے ساتھ:

1: محض کمیشن، تحائف اور مراعات و سہولیات حاصل کرنے کی خاطر ڈاکٹر غیر معیاری وغیر ضروری ادویات تجویز نہ کرے۔

2: کسی دوسری کمپنی کی دوائی مریض کے لیے زیادہ مفید ہونے کے باوجود خاص اس کمپنی ہی کی دوائی تجویز نہ کرے۔

3: دواساز کمپنیاں ڈاکٹر کو دیئے جانے والے کمیشن، تحفہ تحائف اور مراعات کا خرچہ ادویات مہنگی کر کے مریض سے وصول نہ کریں۔

4: کمیشن، تحفہ اور مراعات کی ادائیگی کا خرچہ وصول کرنے کے لیے ادویات کے معیار میں کمی نہ کریں۔

اگر ڈاکٹر، مریض کو کسی مخصوص کمپنی کی دوائی لکھ کر دیتے وقت ان شرائط کا لحاظ نہ رکھتا ہو تو دواساز کمپنیوں کی طرف سے ملنے والے کمیشن، تحفہ تحائف یا دیگر مراعات و سہولیات کا لینا ڈاکٹر کے لیے جائز نہیں، یہ رشوت ہیں اور ناجائز ہیں۔

ہسپتال و لیبارٹری والوں کا ڈاکٹر کو رشوت دینا:

بسا اوقات ڈاکٹر کسی مریض کو علاج کے لیے کسی پرائیوٹ ہسپتال بھیجتا ہے اور کبھی ٹیسٹ وغیرہ کے لیے کسی مخصوص لیبارٹری یا الٹراساؤنڈ یا سی ٹی اسکین والے کے پاس بھیجتا ہے اور یہ لوگ اس کے بدلے ڈاکٹر کو کمیشن، تحفہ تحائف اور دیگر مراعات دیتے ہیں، اس صورت میں ڈاکٹر کا کسی مریض کو مخصوص لیبارٹری یا ہسپتال کی طرف بھیجنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے:

1: ڈاکٹر اپنے فہم و تجربہ کی روشنی میں ان کی طرف بھیجنا مریض کے لیے زیادہ مفید اور زیادہ تسلی بخش سمجھتا ہو۔

2: انہی سے علاج یا ٹیسٹ کرانے پر مریض کو مجبور نہ کیا جاتا ہو۔

3: کمیشن فیصد کے اعتبار سے یا متعین رقم کی صورت میں طے نہ ہو۔

4: کمیشن ادا کرنے کی وجہ سے لیبارٹری یا ہسپتال والے مریض سے علاج اور ٹیسٹ کے سلسلہ میں کسی قسم کا دھوکہ نہ کرتے ہوں۔

5: اس کمیشن کی ادائیگی کا بوجھ ریٹ بڑھا کر مریض پر نہ ڈالا جائے، بلکہ کمیشن دینے والے اپنے حاصل شدہ نفع سے کمیشن ادا کریں۔

6: مریض کو بلا وجہ اور ضرورت سے زائد ٹیسٹ نہ دیئے جائیں۔

اگر ڈاکٹر مریض کو مخصوص ہسپتال یا لیبارٹری کی طرف بھیجتے وقت ان درج بالا شرائط کا لحاظ نہ رکھتا ہو تو پھر ڈاکٹر کے لیے اس پر کمیشن، تحفہ تحائف یا دیگر مراعات و سہولیات وصول کرنا اور لیبارٹری یا ہسپتال والوں کا یہ چیزیں ڈاکٹر کو دینا جائز نہیں، یہ رشوت ہیں اور ناجائز ہیں۔

(بشکریہ ماہنامہ بینات، کراچی)

گداگری۔۔۔۔۔ مجبوری یا پیشہ

عابد محمود عزام

پیٹ کی جہنم بھرنے کی خاطر تو انسان کچھ بھی کر گزرتا ہے۔ اسی پیٹ کے لیے لوگ مختلف قسم کے پیشے اپناتے ہیں۔ بھیک مانگنا بھی پیشے کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ بس اسٹاپ پر کھڑے ہوں یا ٹریفک سگنل پر، شہر میں ہوں یا دیہات میں، پیدل ہوں یا سوار، ”اللہ کے نام پر کچھ دے دیں، دو دن سے بھوکا ہوں گھر میں کھانے کو کچھ نہیں، اللہ کے لیے میری مدد کریں“ اس قسم کے الفاظ آپ کی سماعت سے ضرور ٹکرائے ہوں گے۔ یہ الفاظ بھکاریوں کے ادا کردہ ہوتے ہیں۔

اسے حقیقت کہیے یا اتفاق، کہ بھکاری انسانی نفسیات کے چنگے بھلے ماہر ہوتے ہیں۔ ان کو سب معلوم ہوتا ہے کہ کیسے انسانی جذبات پر حاوی ہو کر لوگوں سے پیسے نکلوائے جاتے ہیں۔ یہ صرف ماہر نفسیات ہی نہیں بلکہ ٹھیک ٹھاک اداکار بھی ہوتے ہیں۔ لوگوں کی توجہ اور ہمدردیاں اپنی طرف مبذول کرنے کے یہ سارے ہنر و گر نجوئی جانتے ہیں۔

بڑے شہروں میں بھکاریوں کی یونین ہوتی ہے۔ بھکاری اپنے تمام کام اپنی یونین کے سربراہ کی مرضی سے سرانجام دیتے ہیں۔ پورے شہر میں ان کے کارندے ہر بھکاری پر نظر رکھے ہوتے ہیں۔ کسی بھی شاہراہ، چوک یا چوراہے پر بھیک مانگنے سے پہلے بھکاری مافیا کے سربراہ سے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے، ان سے اجازت لیے بغیر وہ کسی کو بھیک مانگنے کی اجازت نہیں دیتے، بلکہ ہر بھکاری سربراہ یونین کو بھتہ یا کمیشن بھی دیتا ہے۔ اگر نہ دے تو اسے بھیک مانگنے کی کہیں اجازت نہیں دی جاتی، زبردستی

اسے بھگا دیا جاتا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق تقریباً تین لاکھ سے زائد پیشہ ور بھکاری مختلف شہروں میں باقاعدہ ایک منظم نیٹ ورک کے تحت صبح و شام ”محنت مزدوری“ کر رہے ہیں جو مختلف گروپوں اور گروہوں میں تقسیم ہیں اور ہر گروپ اور گروہ باقاعدہ ایک سرغنہ یا سردار کی زیر نگرانی کام کرتا ہے۔ بھکاریوں کی یونین نے بھکاریوں کے لیے گاڑیوں کا انتظام بھی کیا ہوتا ہے، جو انہیں کسی مخصوص مقام پر چھوڑ جاتے ہیں اور پھر رات کے وقت وہاں سے واپس لے جاتے ہیں۔

گدا گروں کی گداگری کی سب سے محبوب جگہیں ٹریفک سگنلز ہوتی ہیں۔ یہاں انہیں زیادہ مشقت نہیں اٹھانا پڑتی، بڑی بڑی گاڑیوں والے امیر لوگ خود ہی ٹریفک سگنل پر آ جاتے ہیں۔ ان سے پیسے نکلوانا قدرے آسان ہوتا ہے۔ سگنلز پر عام طور پر پانچ قسم کے بھکاریوں سے پالا پڑتا ہے۔ پہلی قسم کے بھکاری تو وہ ہوتے ہیں جو واقعی معذور ہوں، پیدا نشی معذور ہوں یا کسی حادثے کی وجہ سے معذور ہو گئے ہوں، یہ فٹ پاتھ پر ایک جگہ بیٹھے رہتے ہیں، اسی جگہ پر لوگ ان کو بھیک دیتے ہیں۔ دوسری قسم کے بھکاری وہ ہوتے ہیں جو جان بوجھ کر جھوٹ موٹ میں معذور بنے ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ نابینا اور کچھ نے جسم پر مصنوعی طور پر زخم لگائے ہوتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے واقعی گہرے زخم ہیں۔ حالانکہ یہ زخم اصلی نہیں ہوتے بلکہ مصنوعی ہوتے ہیں۔ بعض بھکاریوں نے بازو یا ٹانگ پر پٹی باندھی ہوتی ہے، جسے دیکھنے والوں کا دل یقیناً پسچ جاتا ہے۔

تیسری قسم کے بھکاری سگنلز پر کھڑے وہ بچے ہوتے ہیں جو بھیک مانگنے کے فن سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں۔ بھکاریوں کی چوتھی قسم ان خواتین و حضرات پر مشتمل ہوتی ہے، جنہوں نے اپنی گود میں اکثر و بیشتر نوزائیدہ بچہ اٹھایا ہوتا ہے۔ وہ

معصوم بچوں کو اس وجہ سے گود میں اٹھا کر بھیک مانگتے ہیں کیوں کہ لوگ ان بچوں کو دیکھ کر پیسے زیادہ دیتے ہیں۔ گود میں لیے ہوئے بچوں کے بارے میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ بعض اوقات یہ بھکاری دوسرے لوگوں سے گود میں لینے کے لیے بچے کرائے پر بھی لے کر آتے ہیں۔ پانچویں قسم کے بھکاری وہ مرد و خواتین ہوتے ہیں جن کی گود میں کوئی بچہ نہیں ہوتا لیکن یہ اس قدر ڈرامائی انداز سے بھیک مانگتے ہیں کہ پتھر دل بھی موم ہو جاتا ہے اور لوگ انہیں بھیک دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

بسوں میں بعض ایسے حضرات بھی چڑھتے ہیں جن کے ہاتھ میں کسی مدرسے یا مسجد کی رسید بک، سرپرٹوپی یا رومال ہوتا ہے، بس میں چڑھتے ہی بتانا شروع کرتے ہیں کہ فلاں مدرسہ زیر تعمیر ہے، مسجد کو اتنے پیسوں کی ضرورت ہے، اتنے لاکھ کا سریا، اتنے لاکھ کاسینٹ اور اتنے کی فلاں اور اتنے کی فلاں چیز چاہیے، آپ حضرات حسب توفیق دے کر صدقہ جاریہ میں شریک ہو جائیں۔ ان کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ ان میں سے اکثر حضرات پیسے لے کر بہت ہی کم پیسے مسجد و مدرسے کو دیتے ہیں، باقی اپنے پاس رکھتے ہیں، انہوں نے مدرسہ اور مسجد انتظامیہ کے ساتھ کمیشن طے کیا ہوتا ہے، مسجد، مدرسے کے نام پر مانگنے والوں کا کہنا ہوتا ہے کہ یہ جتنے بھی پیسے ملے ہیں یہ ہماری کاوش سے ملے ہیں، اگر ہم نہ مانگتے تو یہ بھی نہ ملتے۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے لیے بھکاریوں نے بھیک مانگنے کے اور بہت سے طریقے اختیار کیے ہوئے ہیں وہیں آج کل انہوں نے شرعی حلیے میں بھیک مانگنا بھی شروع کر دیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق پچھلے دو برسوں میں باریش اور باشرع گداگروں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ ان گداگروں میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اس لیے دینی حلیہ اختیار کرتے ہیں

تاکہ سادہ لوح مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر زیادہ سے زیادہ بھیک حاصل کریں یا پھر وہ کسی جرائم پیشہ گروہ کے لیے مجبری اور خبر رسانی کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک سوچی سمجھی منصوبہ بندی اور سازش کے تحت دینی حلیہ میں سینکڑوں بہر و پیوں کو مختلف چوراہوں، مساجد، بسوں اور دیگر عوامی مقامات پر پھلایا گیا ہے جس کا مقصد دینی شعائر کو بدنام کرنا اور عوام الناس میں مذہبی لوگوں اور دینی مدارس کے طلبہ کا IMAGE خراب کرنا اور ان پر سے لوگوں کا اعتماد ختم کرنا ہے۔ اگر ان بھکاریوں سے بات کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ آئے بائے شائیں کرتے بھاگ نکلتے ہیں، ان کا ایک پورانیٹ ورک ہے جو بڑے ہی منظم انداز میں اپنا کام کر رہا ہے۔ مرد گدا گروں کی طرح بہت سی خواتین بھی زیادہ سے زیادہ بھیک اکٹھی کرنے کے لیے دینی شعائر کو استعمال کر رہی ہیں یا پھر برقعہ پوش خواتین کا IMAGE خراب کرنے اور ان پر سے لوگوں کا اعتماد ختم کرنے کی مذموم سازش میں مصروف عمل ہیں۔

بہت سے بھکاری اور بھکاری نہیں بڑی مساجد کے دروازوں پر ہر نماز کے بعد یا جمعہ کی نماز کے بعد چپ چاپ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جبکہ بعض لوگ نماز مساجد کے اندر پڑھتے ہیں اور جماعت کی نماز کا سلام پھیرنے کے فوری بعد کھڑے ہو کر بھیک مانگنا شروع کر دیتے ہیں اور مجبوریاں بتاتے ہوئے اکثر رو پڑتے ہیں۔ بعض بھکاری گداگری کے لیے دور دراز کے علاقوں کا سفر کرتے ہیں اور سارا سال کسی نہ کسی شہر میں اسی مقصد کے لیے گردش کرتے رہتے ہیں۔ یہ کسی بھی علاقے میں چھ مہینے یا سال کے بعد جاتے ہیں۔ اتنی دیر میں وہاں کے لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ شخص پہلے بھی آیا تھا۔ گاؤں دیہات میں جا کر اکثر و بیشتر اسپیکر میں بھیک مانگتے ہیں۔

ایک مشہور و معروف قسم ان بھکاری خواتین و حضرات کی ہوتی ہے جو

عرصہ دراز سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے کرایہ مانگ رہے ہوتے ہیں۔ ان کو اگر یہ کہا جائے کہ میں خود کنڈیکٹر کو کرایہ دے دیتا ہوں تو اس پر یہ راضی نہیں ہوتے بلکہ اپنے ہاتھ میں پیسے لینے کا مطالبہ کرتے ہیں، اس لیے کہ اگر آپ خود بس ڈرائیور کو پیسے دیں گے تو یقیناً یہ اس کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہوں گے اور آپ کو اس کی حقیقت کا پتہ چل جائے گا کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

بس اسٹاپ پر بھکاریوں کی اقسام میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بتاتے ہیں کہ میری جیب کٹ گئی ہے۔ لہذا گھر کال کرنے کے لیے اپنا موبائل فون کچھ دیر کے لیے عنایت کر دیں یا اتنے پیسے دے دیں جس سے میں اپنے گھر فون کر سکوں۔ جب موبائل مل جاتا ہے تو چکما دے کر رفو چکر ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے بھکاری صاف ستھرے لباس میں ہوتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشنوں پر ایسے بھکاری بھی ہوتے ہیں جو ریل کے ڈبوں میں بھیک کے بہانے چڑھتے ہیں اور اگر انہیں موقع ملے تو مسافروں کی عدم موجودگی میں ان کا سامان بھی چرالیتے ہیں۔

بھکاریوں کی ایک قسم سوئڈ بوٹڈ بھکاری بھی ہوتے ہیں۔ کراچی میں ہی ناظم آباد کے علاقے میں اس قسم کے بھکاری بڑی تعداد میں رہتے ہیں۔ وہ تھری پیس یا کلف لگا کاٹن پہن کر ہاتھ میں بریف کیس تھامے اپنے علاقے سے دور کسی مسجد یا کسی دکان وغیرہ میں جا کر کہتے ہیں کہ میں فلاں شہر سے کسی کام کی غرض سے کراچی آیا تھا، کسی نے میرے سارے پیسے چرالیے یا کہتے ہیں کہ مجھ سے بددوق کے زور پر پیسے چھین لیے ہیں۔ مجھے حیدر آباد تک کا (یا کسی اور جگہ کا نام لیتے ہیں) کرایہ دے دیں تاکہ میں اپنے گھر واپس پہنچ سکوں۔ اس کی ذی وجاہت ہیئت کو دیکھ کر کوئی اسے پانچ دس روپے دینے سے تورہا، کم از کم 100،50 روپے تو دے ہی دیتے ہیں۔ اس طرح اس کے پاس

کچھ ہی دیر میں بہت سارے پیسے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ یوں وہ ایک دن میں کئی جگہوں کا چکر لگا لیتے ہیں اور اچھی خاصی رقم جمع کر لیتے ہیں۔

ذرائع نے یہ انکشاف کیا کہ گداگر مافیا معصوم بچوں کو اغوا کر کے انہیں دانستہ معذور بنا دیتی ہے تاکہ لوگوں کی ہمدردی بڑھے اور وہ ترس کھاتے ہوئے زیادہ سے زیادہ بھیک دے سکیں۔ اندرون ملک سے اغوا ہونے والی جوان لڑکیاں پہلے تو جسم فروشی پر مجبور کی جاتی ہیں اور بعد ازاں ان سے بھیک منگوائی جاتی ہے۔ بعض خواتین گداگری کے ساتھ ساتھ بسوں، منی بسوں اور دیگر پبلک ٹرانسپورٹس میں سوار ہو کر مسافر خواتین سے پرس، زیورات اور موبائل فون چوری کرنے کا فن بھی جانتی ہیں اور جو نہیں جانتیں انہیں مافیا کے کارندے باقاعدہ ٹرین کرتے ہیں۔ اب وقت کے ساتھ ساتھ بھیک مانگنے والوں میں خواجہ سراؤں کی بھی ایک بڑی اکثریت شامل ہو گئی ہے۔ یہ لوگ اپنے مخصوص فن، باتوں کی بھرمار اور اچھی اداؤں سے چور ہوں پر رکنے والی ہر گاڑی میں سوار لوگوں سے دست سوال کرتے ہیں۔ ایک ایسے ہی خواجہ سرانے بتایا "سب لوگ خواجہ سرا نہیں ہوتے، بلکہ اکثریت مردوں کی ہے جو خواجہ سراؤں کی وضع قطع اختیار کر کے بھیک مانگ رہے ہیں۔

پیشہ ور گداگروں کو ان کے "گرو" خاص قسم کی ٹریننگ دیتے ہیں۔ بھکاریوں کو چند ایسے مخصوص التجائی فقرے اور جملے یاد کروائے جاتے ہیں، جن سے معصومیت و مسکینی ٹپکتی ہے اور سننے والوں کے دل میں ان سے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور وہ بادل نخواستہ تندرست و توانا بھکاریوں کی مالی مدد کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ نوجوان گداگر لڑکیاں بالعموم غیر مناسب لباس پہنے چھوٹے چھوٹے

نگ بدن بچوں کو بغل میں دبائے مردوں کے دائیں بائیں چکر لگاتی رہتی ہیں۔ کبھی ان کا دامن، آستین اور ہاتھ پکڑ لیتی ہیں، نازیبا اشارے کرتی ہیں اور بھیک لیے بغیر پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ بعض تیز و طرار اور جرائم پیشہ گداگر عورتیں جیب کاٹنے، خواتین کی سونے کی انگوٹھی، کان کی بالیاں اور پرس چھیننے کی وارداتیں بھی کرتی ہیں۔ عورتوں اور بچوں کو گداگری کی جہنم میں جبری طور پر جھونک دیا جاتا ہے۔ گداگروں کے سرغنہ اور سردار کے جرائم پیشہ گروہ، بردہ فروشوں اور تخریب کاروں سے بھی تعلق ہوتے ہیں جو کمسن بچوں کو اغوا کر کے بھکاریوں کے سرغنہ کو فروخت کر دیتے ہیں جو ان بچوں کو بھیک مانگنے کی تربیت دیتے ہیں۔ بعض سفاک و ظالم تو بچوں کے ہاتھ پاؤں دانستہ توڑ کر انھیں چلنے پھرنے سے معذور کر دیتے ہیں اور ایسے بچوں کو مختلف مزارات، درگاہوں، بس اسٹاپوں، بازاروں و دیگر مقامات پر بٹھا کر بھیک منگوائی جاتی ہے۔ بھکاری مافیا گداگری کی آڑ میں چوری اور قتل جیسے گھناؤنے جرائم بھی کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ دوسرے ممالک کی ایجنسیوں کے اکثر کارندے بھکاریوں کا روپ دھار کر جاسوسی کرتے ہیں اور پل پل کی خبریں دشمن ملک تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ ایسے بہت سے کیس سامنے آئے ہیں کہ بہت سے بھکاری جاسوسی کرتے ہوئے پکڑے بھی گئے ہیں۔

لاپتہ بچوں میں زیادہ توجہ طلب مسئلہ ان بچوں کا ہے جنہیں بھکاری گروہ اپنے مقاصد کے لیے اغوا کر لیتے ہیں تاکہ ان کا نیٹ ورک وسیع ہو سکے۔ 2010ء میں تین ہزار نوے بچوں کے والدین نے گمشدگی کی ایف آئی آر درج کرائیں۔ ان گمشدہ بچوں میں تقریباً ڈھائی ہزار لڑکے جبکہ چھ سو لڑکیاں شامل تھیں۔ گلشن آباد، اورنگی ٹاؤن، بلدیہ ٹاؤن اور لیاری ٹاؤن ایسے علاقے ہیں جہاں بچوں کی گمشدگی کے

واقعات سب سے زیادہ رونما ہوئے ہیں اور انہی علاقوں میں بھکاریوں کے عارضی ٹھکانے بھی تھے۔ اغوا ہونے والے بہت سے بچوں کے بارے میں بعد میں یہ اطلاع ملی تھی کہ ان کو بھکاری گینگ نے اغوا کروایا ہے۔

بھکاریوں کی یونین کے افراد معذوروں کو اغوا کر کے ان سے بھیک منگواتے ہیں، 2012ء میں بھکاریوں کی چنگل سے آزاد ہونے والا معذور شخص نذیر حسین اس کی دلیل ہے، اس کی خبر تقریباً تمام اخبارات میں لگی تھی۔ اس نے بتایا کہ گداگروں نے اسے 8 سال پہلے اغوا کر کے اس پر بے انتہاء تشدد کیا اور 8 سال تک اس سے بھیک منگواتے رہے اور اسے پاکستان کے مختلف شہروں میں رکھا گیا، جہاں اس سے زبردستی بھیک منگوائی جاتی تھی، گداگر گروہ کے کارندے معذور شخص کو رات کے وقت جھونپڑی میں زنجیروں سے جکڑ دیتے تھے اور تشدد کا نشانہ بناتے تھے اور بھیک منگواتے وقت بھی بھکاریوں کی نگرانی کی جاتی اور حاصل ہونے والے تمام پیسے لے لیے جاتے تھے۔ پھر اچانک ایک دن نذیر حسین کے رشتہ داروں نے اسے ایبٹ آباد میں بھیک مانگتے ہوئے دیکھ لیا، نذیر حسین نے بھی انہیں دیکھ کر شور مچانا شروع کر دیا، اس کے رشتہ داروں کو دیکھ کر نگرانی کرنے والے بھکاری مافیا کے کارندے بھاگ گئے اور نذیر حسین کے رشتہ دار اسے اپنے ساتھ لے آئے۔

شاہ دولے کے چوہے بھی بھکاریوں کی ایک معروف قسم ہے۔ ان کے سر چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ چھوٹے سر اور دبلے بدن والے بھکاری ”شاہ دولہ کے چوہے“ کہلاتے ہیں جو عموماً سبز رنگ کا چوغہ پہنتے ہوتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ ایک اور فرد جو کہ بالکل نارمل ہوتا ہے اپنی زیر نگرانی ان سے بھیک منگوا رہا ہوتا ہے۔ شاہ دولہ ایک پیر کا نام ہے جن کا مزار پنجاب کے ضلع گجرات میں واقع ہے۔ ان کے مزار

پر بطور عقیدت جو بچے چڑھائے جاتے ہیں انہیں شاہ دولہ کے چوہے کہا جاتا ہے۔ کچھ والدین کم علمی یا کمزور عقیدے کے سبب اپنے بچوں کو بطور عقیدت مزار پر موجود بھکاری مافیا کے حوالے کر دیتے ہیں وہ ایسے بچوں کے سروں پر ایک مخصوص ٹوپی نما شکنجہ (لوہے کی ٹوپیاں) چڑھا دیتے ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف ان کے سروں کی نشوونما رک جاتی ہے بلکہ ان کی دماغی اور جسمانی صلاحیت بھی کم ہو جاتی ہے اور پھر یہ بچے رفتہ رفتہ ذہنی طور پر معذور ہو جاتے ہیں۔ اب ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد رہ جاتا ہے جو کہ بھیک مانگنا، کھانا اور پھر بھیک مانگنا ہوتا ہے۔ ایسے لوگ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہتے اور نہ ہی زندگی کی بھاگ دوڑ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ پاکستان میں بھکاری مافیا شاہ دولہ کے چوہوں کا استحصال کرتے ہوئے نہ صرف ان سے شہر شہر، گاؤں گاؤں بھیک منگواتا ہے بلکہ پیشہ ور بھکاری ان چوہوں کو ماہانہ ٹھیکوں پر بھی لے جاتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کا باقاعدہ کنٹریکٹ ہوتا ہے اور پھر جب کنٹریکٹ کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو انہیں واپس دربار پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس طرح ملک کے کونے کونے میں شاہ دولہ کے چوہے بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ بعض بھکاری اپنے آپ کو کسی دربار کا مجاور ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں بابے کا عرس ہونے والا ہے، اس کے لیے کچھ دو، اگر نہ دو گے تو بابے کی طرف سے آپ کو کوئی نقصان ہو سکتا ہے۔

ایک اور دلچسپ حقیقت سنیہ! رپورٹ کے مطابق سعودی عرب میں عمرہ اور حج ویزے پر جانے والی پاکستانی خواتین وہاں جا کر بچہ گود لیے گداگری کا پیشہ اپنالیتی ہیں، رمضان المبارک اور ایام حج کے موقع پر پاکستان سے گداگروں کے گروہ منظم طور پر سعودی عرب جاتے ہیں اور مکہ المکرمہ، مدینہ المنورہ اور جدہ کی شاہراہوں پر

ہاتھ پھیلائے اللہ کے نام پر کہتے ہوئے بھیک مانگ رہے ہوتے ہیں۔ سعودی حکومت نے ان کے خلاف سخت اقدام اٹھانے کے لیے انسداد گدگری کا شعبہ بھی قائم کر رکھا ہے جو ہر سال ہزاروں کی تعداد میں بھکاری گرفتار کرنے کے بعد ملک بدر کر دیتا ہے۔ لیکن پاکستان سے بااثر افراد کے توسط سے مخصوص یا جعلی ناموں سے قائم ٹور آپریٹرز انسانی اسمگلنگ کا مرتکب ہو رہے ہیں۔ سعودی عرب میں گدگری ایک جرم ہے جس کی سزا گرفتاری، بھاری جرمانے اور جیل میں قید رکھنے کے علاوہ ملک بدر کیا جانا ہے۔ یہ گد اگر پولیس کی گشتی گاڑی دیکھ کر سڑکوں سے بھاگ کر نامعلوم مقام پر روپوش ہو جاتے ہیں جبکہ ہر مصروف سگنل پر یہ عورتیں تمام دن بھیک مانگتی ہیں، اگر کوئی پاکستانی انہیں ایسا کرنے سے باز رہنے اور پاکستان کا نام بدنام نہ کرنے کی تلقین کرتا ہے تو یہ انہیں غلیظ گالیوں سے نوازتی ہیں۔ معلومات کے مطابق اب تو بھکاریوں نے بھیک مانگنے کی جگہوں کو بھی اپنی بیٹیوں کو جہیز میں دینا شروع کر دیا ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی خاندان والے اپنا بھیک مانگنے کا اڈہ مافیا کے سربراہ کی اجازت سے اپنی بیٹی کے نام الاٹ کر دیتے ہیں، اس کے بعد بیٹی کو اس جگہ پر بھیک مانگنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اسے کوئی دوسرا بھکاری وہاں سے روک نہیں سکتا۔

گدگری کا پیشہ رمضان المبارک کے بابرکت اور رحمتوں والے مہینے میں خوب پروان چڑھتا ہے۔ پیشہ ور گد اگر اپنے آبائی قصبوں اور دیہاتوں سے نکل کر ملک کے اہم شہروں اسلام آباد، لاہور، کراچی، کوئٹہ، پشاور، حیدرآباد، ملتان اور فیصل آباد وغیرہ کی طرف کوچ کر جاتے ہیں۔ چونکہ شہروں میں زیادہ متمول اور نسبتاً خوش حال لوگ رہتے ہیں جو خاص طور سے رمضان المبارک میں اپنے مال و متاع کی زکوٰۃ، صدقات اور خیرات وغیرہ کثرت سے غرباء و مساکین میں تقسیم کرتے ہیں۔ اسی لیے

یہ پیشہ ور گداگر اور دیہی و پس ماندہ علاقوں کے غریب، نادار، مفلس اور ضرورت مند لوگ بھی رمضان میں ”کمائی“ کے لیے شہری علاقوں میں ڈیرے ڈال لیتے ہیں۔ آغا خان ڈیولپمنٹ نیٹ ورک کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں سالانہ 13 ارب 78 کروڑ روپے سے زائد زکوٰۃ دی جاتی ہے جب کہ 16 ارب کے لگ بھگ چیریٹی کی مد میں دیے جاتے ہیں۔ گویا مجموعی طور پر کم و بیش 30 ارب روپے مالی طور پر خیرات کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ تقریباً ساڑھے 11 ارب روپے سالانہ کی امدادی اشیاء بھی غریبوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کی جاتی ہیں اور خیرات کے ان اربوں روپوں سے اپنے کشکول بھرنے کے لیے ہٹے کٹے پیشہ ور گداگروں کے غول کے غول ملک کے طول و عرض میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ رمضان میں گداگر روزانہ 2 سے ڈھائی ہزار اور بسا اوقات اس سے بھی زیادہ کمالیتا ہے۔ 2012ء کی تحقیق کے مطابق فی بھکاری نارمل حالات میں اوسطاً 30 سے 40 ہزار روپے ماہانہ کمالیتا ہے اور رمضان و عیدین جیسے مخصوص مواقع پر تو ان کی چاندی ہو جاتی ہے۔

ہر سال رمضان المبارک کے آتے ہی کراچی میں بھی گداگر مضافاتی علاقوں میں اپنے ڈیرے جمانا شروع کر دیتے ہیں۔ کراچی کے خالی پلاٹوں، کینٹ اسٹیشن اور ٹاور کے قریب بھی ان کی بڑی تعداد پڑاؤ ڈالتی ہے۔ گداگر مافیا فقیروں کو ان کی ”اہلیت“ دیکھ کر ان کی مزدوری طے کرتی ہے۔ مثلاً جو لوگ پیدائشی طور پر معذور ہوتے ہیں انہیں سب سے زیادہ معاوضہ دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جو لوگ دونوں ٹانگوں، دونوں ہاتھوں یا اسی قسم کی کسی پیدائشی معذوری کا شکار ہوں انہیں زیادہ دیہاڑی دی جاتی ہے۔ اس کے بعد خواتین اور پھر بچوں کی باری آتی ہے۔ مثلاً ڈیفنس چورنگی، سب میرین چورنگی، کلفٹن، پنجاب چورنگی، خیابان شمشیر چورنگی، ٹاور،

بولٹن مارکیٹ، صدر بازار، بہادر آباد، گرو مندر، نمائش، لیاقت آباد، ناظم آباد، ناگن چورنگی، گلشن چورنگی اور نیپا چورنگی وغیرہ ایسے علاقے ہیں جہاں ان گداگروں کو "ذمے داری" دی جاتی ہے جو زیادہ معذور اور رو دھو کر، شعبہ بازی کے ذریعے یا پھر جذباتی اداکاری کر کے زیادہ بھیک جمع کرنے کا فن جانتے ہوں۔ چونکہ یہ وہ علاقے ہیں جہاں یا تو زیادہ تر امیر گھرانے آباد ہیں یا پھر یہاں آنے جانے والوں کی بہتات ہوتی ہے۔ بھکاری مافیا کا ایک گروپ 2011ء میں پاکستان کے مختلف شہروں سے صرف رمضان المبارک کے مہینے میں بھیک مانگنے کے لیے صرف چودہ سو بھکاریوں کو پانچ کروڑ کے ٹھیکے پر کراچی میں لایا تھا۔ اسی طرح 2012ء میں بھی رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی اندرون ملک سے ایک لاکھ سے زائد افراد کراچی پہنچائے گئے تھے۔ گاؤں اور دیہات سے لائے گئے ان گداگروں میں بوڑھے، جوان اور خواتین کے علاوہ بڑی تعداد جسمانی معذور بچوں کی تھی۔ کراچی کے سگنل چوراہوں، ہوٹل ریسٹورانٹس، مساجد، مارکیٹیں اور شاپنگ سینٹر ز گداگری کے انتہائی منافع بخش مقامات ہیں جن کے حصول کے لیے با اثر ٹھیکیداروں نے کروڑوں روپے کی سرمایہ کاری کی ہے جبکہ گداگروں کی رہائش اور طعام کے علاوہ ان کے کمیشن میں بھی اضافہ کیا گیا۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ بھیک مانگنا شریعت کی نظر میں معیوب اور ایک بدترین جرم ہے۔ جو لوگ اس عمل کو محض پیسے کے طور پر اپنائے ہوئے ہیں ان کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہونی چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے والا روز قیامت ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا بلکہ صرف خراشوں کے واضح نشانات ہوں گے“ (نسائی۔ کتاب الزکاة)۔ اس کے علاوہ بھی متعدد وعیدیں بھکاریوں کے لیے آئی ہیں۔ جس طرح سے

بھیک مانگنا درست نہیں اسی طرح ان پیشہ ور بھکاریوں کو بھیک دینا بھی درست نہیں۔
بھیک مانگنا انتہائی گھٹیا حرکت ہے اور ان لوگوں کے لیے تو بالکل ہی ڈوب مرنے کا مقام
ہے جو اچھے خاصے صحت مند ہونے کے باوجود بھیک مانگتے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان بھکاریوں کو بھیک دینا جائز نہیں تو پھر
واقعی حاجت مند کی پہچان کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے زیادہ حق دار
اپنے قریبی لوگ ہیں۔ ان میں رشتہ دار، دوست احباب اور وہ لوگ جن کو آپ جانتے
ہیں کہ یہ لوگ واقعی حاجت مند ہیں، اس کے بعد تمام لوگوں کو چاہیے کہ اپنے اپنے
علاقے اور محلے میں تلاش کرے کہ کون ایسے سفید پوش لوگ ہیں جو کسی کے آگے
ہاتھ پھیلاتے ہوئے شرماتے ہیں۔ ایسے افراد کو ڈھونڈ کر ان کو ان کا حق دیا جائے۔ اسی
طرح مستحق افراد کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کوئی ایسی راہ
تلاش نہ کریں جو درست نہ ہو یا بھکاریوں کی راہ کے مشابہ ہو۔ اگر آپ نے مکمل احتیاط
کے ساتھ کسی کو حق دار سمجھ کر کچھ دے دیا تو یہ آپ کے دل کا معاملہ ہے۔ جیسی نیت
ویسی جزا۔ اگر آپ نے بلا سوچے سمجھے اور بغیر تحقیق کے بھکاریوں کو کچھ دیا تو آپ ملک
میں ان لوگوں کی بڑھوتری کا سبب بنیں گے جو کہ یقیناً ملک کے لیے نقصان کا باعث
ہے۔

پاکستان کے قانون کے مطابق بھی بھیک ماننا قابل سزا جرم ہے۔ حکومت کو
چاہیے کہ بھکاریوں کے لیے کوئی قانون بنائے اور انہیں اس جرم سے روکے۔ گداگری
میں سالانہ 4 فیصد اضافہ ہو رہا ہے۔ گزشتہ سال کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں
بھکاریوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ ان کے لیے کسی روزگار کا انتظام کرے اور انہیں
زبردستی اس قابل سزا قبیح جرم سے منع کرے۔

سود کی سزا موت..... بائبل میں بھی !!

ظہور نیازی

کفر و شرک کے فتوؤں کی ارزانی کے اس دور میں حیرت ہے کہ کسی مفتی نے آج تک یہ فتویٰ جاری نہیں کیا کہ کاغذی کرنسی حرام ہے۔ پس پردہ رہ کر دنیا بھر کے مالیاتی نظام کو کنٹرول کرنے والے بنکسٹرز کا ہتھیار خانے کا موثر ترین ہتھیار کاغذی کرنسی ہے۔ یورپ کے سود خور خاندانوں کے اس گٹھ جوڑنے ذاتی قدر و قیمت رکھنے والی کرنسی (دینار و درہم) کو ایسی کاغذی کرنسی سے تبدیل کر دیا جس کی کوئی ذاتی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اب وہ دنیا بھر کے ملکوں کی معیشت کو اس طرح کنٹرول کرتے ہیں کہ جب چاہیں کسی ملک کی کرنسی کی قیمت کو گھٹایا بڑھادیں۔ جس ملک کی کرنسی کی قیمت گرتی ہے اس ملک کے باسیوں کے مال پر غیر منصفانہ اور بظاہر قانونی ڈاکہ پڑ جاتا ہے۔ زر مبادلہ کا ذخیرہ کم ہو جاتا ہے ادائیگیوں کے لئے اسے سود پر مزید قرضہ لینا پڑتا ہے۔ بنکسٹرز جس ملک کو نشانہ بنالیں اس ملک کی کرنسی کو اتنا گراتے چلے جاتے ہیں کہ اصل تو کیا صرف سود ادا کرنے کے لئے اس ملک کو مزید قرضے لینے پڑتے ہیں۔ خود پاکستان کی مثال آپ کے سامنے ہے جو مالیاتی بحران کے بوجھ تلے سسک رہا ہے۔ عوام کا جینا دو بھر ہو گیا ہے۔

اس نظریہ اور طریقہ واردات پر John Perkin نے اپنی کتاب

Confession of an Economic Hit Man میں خوب روشنی ڈالی ہے کہ

جیسے ہی کرنسی کی قیمت گرتی ہے، زمین، جائداد، لیبر اور دیگر ضروریات ان لٹیروں

کیلئے سستی ہو جاتی ہیں۔ دنیا بھر کے غریب ممالک کے باشندوں کو ساری زندگی جان

جو کھوں میں ڈال کر محنت کرنی پڑتی ہے تاکہ مغرب کے لٹیروں کو بہتر آسائشیں میسر رہیں۔ اس کا دوسرا المناک پہلو یہ ہے کہ جب غربت آتی ہے تو رشوت کو فروغ ملتا ہے۔ دیگر برائیاں جنم لیتی ہیں۔ آج ہر کوئی یہ سوال کرتا ہے کہ افریقہ اور ایشیا کے غریب یا مسلم ملکوں میں اس قدر برائیاں کیوں پائی جاتی ہیں۔ اور مغرب ان برائیوں سے کیوں مبرا اور پاک ہے۔ کم لوگ ہی اس حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ جب ضروریات زندگی جائز طریقے سے پوری نہ ہوں تو حرص و ہوس رکھنے والا یہ انسانی پتلانا جائز ذرائع اختیار کر لیتا ہے۔

کرنسی کی قیمت گرنے پر (IMF انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ جو عالمی مالیاتی نظام کو کنٹرول کرنے کیلئے بنکسٹرز کا ایک استحصالی ادارہ ہے) نج کاری پر زور دیتا ہے۔ پھر یہ لٹیروں ان غریب ملکوں کی معدنی دولت، پٹرول، گیس، بجلی گھر، کمیونیکیشن اور دیگر صنعتیں اونے پونے داموں خرید لیتے ہیں۔ پاکستان میں اسٹیل مل کا شرمناک سودا، کمیونیکیشن اور بنگلہ سیکٹر کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

ان لٹیروں کا مقصد صرف غیر گوری اقوام کا خون چوس کر ٹھٹھ سے رہنا ہی نہیں ہے بلکہ وہ پوری دنیا کو معاشی بد حالی میں گرفتار کر کے انہیں اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں تاکہ پوری دنیا پر ان کا آمرانہ اقتدار قائم ہو جائے۔ کیا ہمارے حکمران طبقے نے اپنی آسائشوں کی خاطر پاکستان کو امریکہ کی غلامی میں نہیں دے دیا ہے؟ ایران کے حکمران بکنے کے لئے تیار نہیں۔ اپنی آزادی کا سودا نہیں کر رہے۔ ان کی ترجیح ذاتی نہیں، ملکی مفاد ہے۔ بنکسٹرز ایران کے مالیاتی نظام کا کنٹرول حاصل کرنے کے لئے بے چین ہیں۔ ایران سے نہ امریکہ کو کوئی خطرہ ہے، نہ اسرائیلی سیکورٹی دائرہ پر لگی ہے مگر بنکسٹروں کے مجوزہ عالمی نظام کی خاطر اسرائیل ایران کو تھس نہس کرنا چاہتا ہے اور

امریکی حکام نے اپنے آقاؤں کے اشارے پر دم ہلاتے ہوئے اپنا چوتھا بحری بیڑہ بھی ایران کی جانب روانہ کر دیا ہے جو ایک ماہ میں ایران کے قریب پہنچ جائے گا۔ امریکہ نے خلیج فارس میں استعمال کے لئے بحری ڈرون تیار کر لئے ہیں جو بحری بارودی سرنگوں اور ایرانی آبدوزوں کا سراغ لگا کر انہیں تباہ کرنے کے لئے استعمال کئے جائیں گے۔ ایران کے ارد گرد ریڈار کے جدید ترین نظام کی تکمیل کے لئے آخری مرحلے کے طور پر قطر میں امریکہ نے تنصیبات کی تعمیر شروع کر دی ہیں۔ نکلٹروں کے گروہ الو میناتی سے بغاوت کرنے والے ایک ممتاز امریکی رہنما جارج گرین نے دعویٰ کیا ہے کہ الو میناتی تیسری جنگ عظیم شروع کرنے کے لئے بے چین ہے۔ اس کے لئے ان کا منصوبہ یہ ہے کہ ایران سے روایتی اسلحہ کے ساتھ جنگ کے دوران اسرائیل پر نیوٹرون بم استعمال کیا جائے گا جس کے نتیجے میں عالمی ایٹمی جنگ چھڑ جائے گی۔ اس وقت دنیا میں صرف دو نیوٹرون بم موجود ہیں۔ اس خوفناک جنگ کے کیا ہولناک نتائج ہوں گے، اس کے تصور سے ہی روٹ گئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ صرف روس کے پاس بائیس ہزار ایٹمی وار ہیڈ موجود ہیں۔ وہ ہم سے اس معاملے میں بارہ سال آگے ہے۔ جارج گرین کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ الو میناتی دنیا کی آبادی چھ سات بلین سے کم کر کے 500 ملین کرنا چاہتی ہے۔ ایٹمی جنگ کے دوران اس گروہ نے اپنے تحفظ کے لئے زیر زمین پورا انتظام پہلے ہی کر لیا ہے۔ جارج گرین کون ہے؟ اندرونِ خانہ رازوں سے واقف اس شخص نے بغاوت کیوں کر دی۔ جارج گرین ایک انوسٹمنٹ بنکر تھا۔ عالمی لیڈروں سے اس کا واسطہ رہتا تھا۔ وہ اپنی دولٹ کیوں کو سکی انگ کے لئے کینیڈا کے پہاڑوں پر لے کر گیا۔ وہاں اس نے امریکی لیڈروں کے ایک اجلاس میں شرکت کی۔ اسے امریکہ کے آئندہ صدر کے لئے چیئر مین فنانس بننے کی پیشکش کی گئی جو

ڈیموکریٹ سے ہونا تھا۔ جارج کا کہنا تھا کہ میں ری پبلکن ہوں۔ مجوزہ ڈیموکریٹ صدر سے مجھے کیوں نتھی کر رہے ہو۔ کہا گیا فکر نہ کرو، دونوں پارٹیوں کو ہم کنٹرول کرتے ہیں۔ تم ٹیڈ کینیڈی سے معاملات طے کر لو۔ ٹیڈ کا کہنا تھا کہ تم فنڈ جمع کرنے کی مہم میں صدارتی امیدوار کے ساتھ ہو گے۔ اس دوران فوکسی لیڈیز سے تمہاری ملاقات ہوگی۔ عین اس وقت میری ایک لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے دیکھ کر ٹیڈ کہنے لگا آج رات میں اسکے ساتھ شب بسر کرنا چاہتا ہوں۔ جارج نے کہا یہ میری بیٹی ہے اور اس کی عمر صرف 14 سال ہے۔ ٹیڈ کا جواب تھا I don't care یعنی مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ اس پر جارج کی غیرت جاگی اور وہ اٹھ گیا۔ دوسرے کمرے میں گیا تو وہاں کئی لیڈر سگار پی رہے تھے اور سفید پاؤڈر سے بھرے۔ اس موقع پر جارج کی اخلاقیات جاگی۔ اس نے سوچا میں ان لوگوں کیلئے کام کروں؟ اس کے بعد جارج نے Chaos in America کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی جس میں الویناتی کے منصوبوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ یہ تو خیر شیطان مردود کا منصوبہ ہے، رحمن کا کیا منصوبہ ہے۔ اس کی ہمیں رحمۃ اللعلمین نے پہلی ہی خبر دے رکھی ہے کہ ایک صیہونی حکمران مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ ہر یہودی کو یقین ہے کہ اللہ نے یہودیوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ تاریخ ایک ایسے آدمی پر ختم ہوگی جو یروشلم سے حضرت داؤد علیہ السلام کے تخت پر بیٹھ کر ساری دنیا پر حکومت کرے گا۔ صیہونی صرف یہود ہی میں سے نہیں ہوتے۔ ہر وہ شخص جو اسرائیل کی صیہونی حکومت کا حامی و مددگار ہے، چاہے وہ عیسائی ہو یا مسلمان ہونے کا دعویدار ہو، صیہونی ہے۔ جس تیزی سے اس جانب پیش قدمی ہو رہی ہے اس سے لگتا ہے کہ ہمارے پوتے پوتیوں کے دور میں دجال ظاہر ہو جائے گا۔ اور پچیس تیس سال کا یہ عرصہ اہل ایمان کے لئے سخت آزمائش اور تکلیف کا ہو

گا۔ ہر مسلمان کو نبی صادق۔ کی اس خبر پر یقین ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کر کے پوری دنیا کو امن و آشتی دیں گے اور یروشلم سے پوری دنیا پر حکومت کریں گے۔ کاغذی کرنسی سے بات تیسری عالمگیر جنگ اور دجال تک پہنچ گئی۔ ہم واپس کاغذی کرنسی کی طرف آتے ہیں کہ اس کا آغاز کیسے ہوا؟ فری مین کے پیش رونائٹس ٹمپلر Knights Templar کہلاتے تھے۔ یہ تبرکات یعنی تابوت سکینہ کے محافظین تھے۔ اس صندوق میں پتھر کی وہ تختیاں جو طور سینا پر حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے دی تھیں، تورات کا اصل نسخہ جسے حضرت موسیٰ نے خود لکھوا کر بنی لادی کے سپرد کیا تھا، من سے بھری ایک بوتل اور عظیم الشان معجزات کا مظہر بننے والا حضرت موسیٰ کا عصا تھا۔ یہ تبرکات ان نائٹس سے گم ہو گئیں۔ آج بھی دنیا بھر میں اس کی تلاش جاری ہے۔ آپ میں سے کچھ لوگوں نے Knight Rider قسم کی فلمیں دیکھی ہوں گی۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کو دنیا پر دوبارہ غلبہ ان تبرکات کے بغیر نہیں مل سکتا۔ یہ تبرکات انہیں کبھی نہیں ملیں گی۔ انہیں حضرت مہدی علیہ السلام برآمد کریں گے۔ ان نائٹس نے سب سے پہلے تجوریوں لاکر زکا نظام متعارف کرا کے لوگوں کے زیورات، سکے اور سونا اجرت پر محفوظ کرنا شروع کیا تاکہ لوگوں کو اپنے مال کے لٹ جانے کا ڈر نہ رہے۔ مذہبی پس منظر رکھنے کی وجہ سے یہ نائٹس لوگوں کیلئے قابل بھروسہ تھے۔ مشکل یہ تھی کہ خریداری کے لئے جب سکوں کی ضرورت ہوتی تو ان کے پاس جا کر وہ نکلوانے پڑتے۔ یہ سکے یا سونا دکاندار پھر جا کر ان مہاجنوں کے پاس جمع کر ادیتا اور رسید لے لیتا۔ اس کا حل یہ نکالا گیا کہ ان رسیدوں پر ہی لین دین شروع ہو گئی۔ کاغذ کے یہی پرزے کرنسی نوٹوں، ٹریولرز چیکوں اور کریڈٹ کارڈوں کی بنیاد ہیں۔ خرید و فروخت کاغذی چٹوں پر ہی مقبول ہونے کے بعد

ان مہاجنوں کے پاس سونا بے مصرف پڑا تھا۔ انہوں نے اس ڈپازٹ کو سودی قرض پر دینا شروع کر دیا۔ جس کیلئے وہ ایک دستاویز لکھوا لیتے۔ سرمایہ محفوظ کرنے، قرضہ دینے اور ضمانت حاصل کرنے کا یہ قدیم طریقہ آج کے جدید بنکاری نظام کی بنیاد بنا۔

یورپ کے نشاۃ ثانیہ میں حصہ لینے والے خاندانوں میں سے فلورنس اٹلی کے میڈیکس خاندان نے اس نظام کی اعانت کی اور سویڈن میں پہلا ماڈرن بینک دی رکس 1656 میں قائم ہوا۔ پھر بینک آف انگلینڈ سود خوری کے منظم ادارے کے طور پر 1694 میں قائم کر دیا گیا۔ آہستہ آہستہ پوری دنیا سودی لعنت کے اس جال میں پھنستی چلی گئی جبکہ بائبل میں سود خور کی سزا موت درج ہے۔ نائنٹس ٹمپلز کے بڑھتے ہوئے اثر رسوخ اور جارحانہ حرکتوں سے تنگ آکر فرانس کے بادشاہ فلپس چہارم نے جمعہ 13 اکتوبر 1307 کو ان پر پابندی لگا دی، تنظیم کے آخری گرینڈ ماسٹر جیکس ڈی مولائے کو 1314 میں دھیمی آٹچ پر رکھ کر کباب بنا دیا (جمعہ 13 اکتوبر پر اتنی فلمیں کیوں بن چکی ہیں؟ کچھ اندازہ ہوا؟) نائنٹس ٹمپلز زیر زمین جاکر فری میسن کی شکل میں سکاٹ لینڈ کے بادشاہ رابرٹ بروس کی مدد سے کس طرح برطانیہ، پھر یورپ اور پھر پوری دنیا پر چھا گئے، یہ ایک الگ اور دلچسپ داستان ہے۔ بہر حال ان کا اگلا منصوبہ کہ یروشلم سے پوری دنیا پر حکومت کی جائے اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب امریکہ معاشی طور پر تباہ ہو جائے، ڈالر سکے رائج الوقت نہ رہے۔ ڈالر کی تباہی کے ساتھ ہی پوری دنیا کی کرنسیاں تباہ ہو جائیں گی، مکانوں کی قیمتیں گر جائیں گی، بینک ڈپازٹس بے قیمت ہو جائیں گے، پوری دنیا میں کوئی کرنسی نہیں رہے گی، نئی کرنسی چسپ کی متعارف کرائی جائے گی، صرف اسی کے ذریعے بنکوں کے ذریعہ لین دین ہو گا، فائدے میں صرف وہی رہے گا جس نے اپنی دولت نوٹوں کے بجائے سونے چاندی میں منتقل کر لی ہو۔

دارالعلوم دیوبند تجدید دین کی عالمگیر تحریک

مولانا محمد اللہ قاسمی

انیسویں صدی عیسوی میں یورپی استعمار کی چیرہ دستیوں اور پوری دنیا خصوصاً عالم اسلام پر تصرف اور قبضہ سے ایک عالمگیر سیاسی، سماجی اور دینی بحران پیدا ہو چکا تھا۔ یورپی استعمار اپنے ساتھ عیسائیت اور الحاد و بے دینی کا ایک سیلاب بلاخیز بھی ساتھ لا رہا تھا۔ پورے عالم اسلام کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہو گا کہ اس وقت مسلمانوں کی قوتِ فکر و عمل مفلوج ہو کر رہ گئی تھی اور انڈونیشیا سے مراکش تک کے طول و عرض میں کوئی قابلِ ذکر تحریک موجود نہ تھی، جو اس نازک صورتِ حال میں مغربی استعمال اور الحاد کے خلاف آہنی دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی۔ ایسے نازک دور اور عالمگیر سنائے میں پہلی آواز دیوبند سے اٹھی جو اگرچہ ابتدا میں ہلکی اور نحیف تھی؛ لیکن آہستہ آہستہ وہ الحاد و بے دینی اور ظلم و بربریت کے سنائے کو چیرتی چلی گئی اور نصف صدی کے اندر اندر پوری دنیا میں اس کا ڈنکا بجنے لگا:

تا ابد گوشِ جہاں زمزمہ زا خواهد بود

زینِ نواہا کہ دریں گنبد گردوں زده ایم

عالم اسلام کی موثر ترین دینی تحریک:

یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کی نشاۃ ثانیہ کی تاریخ میں دارالعلوم کی مسلسل تعلیمی اور تبلیغی جدوجہد کا بڑا حصہ ہے۔ دارالعلوم کی طویل زندگی میں حوادث کے کتنے ہی طوفان اٹے اور حالات و سیاسیات میں کتنے ہی انقلاب آئے؛ مگر یہ ادارہ جن مقاصد کو لے کر عالم وجود میں آیا تھا، انتہائی استقلال اور ثابت قدمی

کے ساتھ ان کی تکمیل میں سرگرم عمل رہا۔ فکر و خیال کے ان ہنگاموں اور فتنہ مغرب میں ڈوبی ہوئی تحریکوں کے دور میں اگر بالعموم مدارس عربیہ اور بالخصوص دارالعلوم جیسے ادارے کا وجود نہ ہوتا تو نہیں کہا جاسکتا کہ آج مسلمان جمود و بے حسی کے کس گردابِ عظیم میں پھنسے ہوئے ہوتے۔ ارشاد و تلقین، تبلیغ و تذکیر، تعلیم و تربیت اور اصلاحِ خلق کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں دارالعلوم کے فضلا مصروفِ عمل نہ ہوں اور ملتِ اسلامیہ کی اصلاح و تربیت میں انھوں نے اہم کردار ادا نہ کیا ہو، دعوت و ارشاد اور وعظ و تبلیغ کے بڑے بڑے جلسوں کی رونق اس وقت برصغیر میں دارالعلوم ہی کے گرامی قدر علماء کے دم سے قائم ہے۔ بڑے بڑے مدارس اسلامیہ کی مسند تدریس کی زینت آج بھی اصحاب ہیں۔

دارالعلوم دیوبند صرف ایک تعلیم گاہ ہی نہیں؛ بلکہ درحقیقت ایک مستقل تحریک اور تجدیدِ دین کا مرکز ہے جس سے ہندوپاک اور بنگلہ دیش کے علاوہ پورے ایشیا، مشرقی و جنوبی افریقہ اور یورپ و امریکہ کے کروڑہا کروڑ مسلمان وابستہ ہیں اور اسے اپنا علمی و فکری مرکز سمجھتے ہیں۔ الحمد للہ دارالعلوم دیوبند کا علمی و فکری فیض ایشیا سے گزر کر افریقہ، یورپ اور امریکہ تک پہنچ چکا ہے۔ ان علاقوں میں دارالعلوم کے فیض یافتہ افراد دینی و علمی خدمات انجام دے رہے ہیں اور مرکزی شہروں میں دارالعلوم کے طرز پر اسلامی درس گاہیں کھل چکی ہیں۔

برصغیر میں احیائے اسلام کا مرکز:

دارالعلوم دیوبند نے برصغیر کے مسلمانوں کی دینی زندگی میں ان کو ایک ممتاز مقام پر پہنچانے کا بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، یہ نہ صرف ایک بین الاقوامی تعلیمی ادارہ ہے؛ بلکہ ذہنی نشوونما، تہذیبی ارتقا اور ملّی حوصلہ مندوں کا ایک ایسا مرکز

بھی ہے جس کے صحیح علم، بلند کردار اور نیک نیتی پر مسلمانوں کو ہمیشہ بھروسہ اور فخر رہا ہے۔ جس طرح عربوں نے ایک زمانے میں یونانیوں کے علوم کو ضائع ہونے سے بچایا تھا ٹھیک اسی طرح دارالعلوم دیوبند نے اس زمانے میں علوم اسلامیہ اور بالخصوص علم حدیث کی جو گراں قدر خدمت انجام دی ہے وہ اسلام کی علمی تاریخ میں ایک زریں کارنامے کی حیثیت رکھتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند نے ہندوستان میں نہ صرف دینی علوم اور اسلامی قدروں کی بقا و تحفظ کے زبردست اسباب فراہم کیے ہیں؛ بلکہ اس نے تیرہویں صدی ہجری کے اواخر اور چودھویں صدی کی معاشرتی اور سیاسی زندگی پر بھی بہت دور رس اور نتیجہ خیز اثرات ڈالے ہیں۔

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد جب انگریزوں نے اپنے سیاسی مصالح کے پیش نظر اسلامی علوم و فنون کی قدیم درسگاہوں کو یکسر ختم کر دیا تھا، اس وقت ضرورت تھی کہ نہ صرف اسلامی علوم و فنون اور اسلامی تہذیب کی بقا کے لیے؛ بلکہ مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے ایک تحریک شروع کی جائے جو مسلمانوں کو الحاد و بے دینی کے فتنہ عظیم سے محفوظ رکھ سکے۔ اس وقت اسلام کے تحفظ کی تمام ذمہ داری علمائے کرام کے کاندھوں پر تھی؛ کیوں کہ اسلامی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ علمائے کرام نے اپنا فرض انجام دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور مسلمانوں کی تمام توقعات دارالعلوم دیوبند کے ذریعہ بدرجہ اتم پوری ہوئیں۔ دارالعلوم دیوبند سے جو افراد فارغ ہوئے انہوں نے تعلیم و تبلیغ، تزکیہ اخلاق، تصنیف و تالیف، فقہ و فتاویٰ، مناظرہ و خطابت، صحافت و تذکیر اور حکمت و طب وغیرہ میں جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، وہ کسی مخصوص خطے میں محدود نہیں ہیں؛ بلکہ ہندو پاک کے ہر ہر خطہ کے علاوہ بیرونی ممالک میں بھی پھیل چکی ہیں۔ دارالعلوم نے اپنے

یوم قیام سے اب تک برصغیر کے کونے کونے اور دنیا بھر کے مرکزی اور بڑے شہروں میں اپنے فرزند ان رشید کو پہنچا دیا ہے جو پورے خطے میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے ہیں اور مخلوق خدا کو ظلمت و جہل سے نکال کر نورِ علم سے مالا مال کر رہے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند نے جہاں ایک طرف مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے صحیح الفکر علماء و فضلاء پیدا کیے، وہیں مدارس اسلامیہ کے وسیع نظام کے ساتھ دین و اسلام کی اشاعت کا سامان بھی پیدا کیا۔ برصغیر کی پچھلی ڈیڑھ سو سالہ دینی و سماجی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہو گا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی زندگی میں سب سے زیادہ مثبت اثر دارالعلوم کی تحریک سے پیدا ہوا ہے اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں سب سے زیادہ حصہ علمائے دیوبند کی علمی و دینی کوششوں کا ہے۔

عالمی دینی تعلیمی تحریک کا مرکز:

ہندوستان میں برطانوی نظام تعلیم کے جاری ہونے کے بعد جب یہاں ایک نئی تہذیب اور نئے دور کا آغاز ہو رہا تھا تو اس نازک وقت میں دارالعلوم کے اکابر نے دینی تعلیم اور مدارس اسلامیہ کے قیام کی تحریک شروع کر دی، خدا کے فضل و کرم سے ان کی تحریک مسلمانوں میں مقبول ہوئی؛ چنانچہ برصغیر میں جگہ جگہ دینی مدارس جاری ہو گئے اور ایک وسیع جال کی شکل میں روز بروز وسعت پذیر رہے۔ بہت ہی قلیل مدت میں دارالعلوم کی شہرت بام عروج کو پہنچ گئی اور بہت جلد دارالعلوم نہ صرف ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، بلکہ افغانستان، وسط ایشیا، انڈونیشیا، ملیشیا، برما، تبت، سیلون اور مشرقی و جنوبی افریقہ، یورپ، امریکہ و آسٹریلیا کے ممالک کے مسلمانوں کے لیے ایک بین الاقوامی دینی تعلیم کی تحریک کا مرکز بن گیا۔

اس وقت سے لے کر اب تک برصغیر کے طول و عرض میں بحمد اللہ بے شمار

دینی مدارس جاری ہو چکے ہیں، اور روز بروز ان کی تعداد میں اضافہ ہو تا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ جو مدرسے دارالعلوم کے مزاج و مذاق سے ہٹے ہوئے ہیں یا دارالعلوم کے نصابِ تعلیم کی اتباع نہیں کرتے ہیں، ان کا نظام بھی دارالعلوم کے وضع کردہ بنیادی اصولوں پر قائم ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آج برصغیر میں جس قدر بھی دینی مدارس نظر آتے ہیں ان میں سے بیشتر وہی ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے نقش قدم پر یا اس کے قائم کردہ اثرات سے جاری ہوئے ہیں؛ اس طرح دارالعلوم دیوبند کا وجود اسلام کی جدید تاریخ میں ایک عہد آفریں حیثیت رکھتا ہے، اور یہیں سے اس وقت پورے برصغیر میں دینی تعلیم گاہوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ ہندوستان میں موجود مدارس کا کوئی حتمی اعداد و شمار موجود نہیں؛ تاہم چھوٹے بڑے مدارس کی تعداد ایک اندازے کے مطابق دس ہزار سے زائد ہے۔ یہ تعداد ان لاکھوں مکاتب کے علاوہ ہے جو تقریباً ہر مسجد اور مسلم محلہ میں قائم ہوتے ہیں۔

ہندوستان کے علاوہ، پاکستان اور بنگلہ دیش کے چپے چپے میں بھی اسی منہج پر ہزاروں مدرسے قائم ہیں، جن کے بڑے مدرسوں میں ہزاروں طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ پاکستان میں وفاق المدارس کے تحت دس ہزار کے قریب مدارس کا متحدہ پلیٹ فارم بھی قائم ہے جن میں اکثریت دیوبندی مدارس کی ہے۔ اسی طرح بنگلہ دیش میں بھی دینی مدارس ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ہندو پاک اور بنگلہ دیش کے علاوہ برصغیر کے قریب دیگر ملکوں جیسے مشرق میں برما، شمال میں نیپال، مغرب میں افغانستان و ایران اور جنوب میں سری لنکا وغیرہ میں بھی کافی مدارس دارالعلوم کے طرز پر قائم ہیں۔ ان مدارس سے ہزاروں علماء ہر سال فارغ ہو کر معاشرہ میں علم کی روشنی پھیلاتے ہیں۔ براعظم افریقہ کے جنوبی ملکوں خصوصاً ساؤتھ افریقہ میں

دارالعلوم کے طرز کے سینکڑوں چھوٹے بڑے مدارس قائم ہیں۔ اسی طرح براعظم یورپ میں خصوصاً برطانیہ میں متعدد بڑے دارالعلوم اور مدارس قائم ہیں۔ بحر اٹلانٹک کے اس پار ریاستہائے متحدہ امریکہ، کناڈا اور ویسٹ انڈیز میں بھی دارالعلوم قائم ہو چکے ہیں اور دارالعلوم کے نہج پر علوم دینیہ کی تدریس و اشاعت میں مشغول ہیں۔ دوسری طرف مشرق میں آسٹریلیا، فیجی، نیوزی لینڈ وغیرہ میں بھی الحمد للہ دارالعلوم دیوبند کے نہج پر مدارس قائم ہیں۔

دفاعِ اسلام کا مضبوط قلعہ:

دین اسلام کے بنیادی عقائد کی حفاظت، اسلامی افکار و روایات کی پاسداری اور تمام فرقِ باطلہ اور افکارِ فاسدہ سے اسلام کا دفاع دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور فضلاء کا طغرائے امتیاز رہا ہے۔ ہندوستان میں برطانوی استعمار کی نحوست سے مسلمانوں کو نئے نئے فتنوں سے واسطہ پڑا، اسلام دشمن طاقتوں نے مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لیے باطل افکار و فرق کو خوب خوب پھیلنے پھولنے کا موقع دیا۔ خود مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت زوالِ اقتدار کے ساتھ دینی و اخلاقی زوال سے دوچار تھیں۔ مسلمانوں کے عقائد و افکار میں تزلزل اور اضطراب پیدا ہو چکا تھا۔ اس نازک دور میں جب مسلمان سیاسی جنگ ہار چکا تھا، ایک طرف عیسائیت پوری قوت کے ساتھ حملہ آور تھی، آریہ سماج اور ہندوؤں کی یلغار تھی، تو دوسری طرف خود مسلمانوں کی صفوں سے ایسے افراد اور جماعتیں جنم لے رہی تھیں جو مختلف زاویوں سے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں لگی تھیں۔

دارالعلوم دیوبند اپنے روزِ قیام سے اب تک اسلام کے دفاع میں تمام فرقِ باطلہ و افکارِ فاسدہ کے خلاف سدِ سکندری کی طرح ڈٹا رہا اور حدیثِ مبارک: **يَجِيْلُ هَذَا**

الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عَدُوْلُهُ يَنْفَعُونَ عَنْهُمْ تَحْرِيفُ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالُ الْمُبْطِلِيْنَ وَ تَأْوِيلُ الْجَاهِلِيْنَ، طبرانی (ہر آئندہ نسل میں سے اس علم کے حامل ایسے عادل لوگ ہوتے رہیں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کے غلط انتساب اور جاہلوں کی تاویل کو دور کرتے رہیں گے) کے مطابق دینی عقائد و تعلیمات کا بھرپور دفاع کیا اور قرآن و حدیث اور صحابہ و سلف سے آنے والے متوارث دین کو اس کی اصلی حالت میں نئی نسلوں تک پہنچایا۔ علمائے دیوبند کو اس فرض کی انجام دہی میں مختلف محاذوں پر بیک وقت لڑنا پڑا۔

عیسائیت کا مقابلہ:

ہندوستان پر انگریزی تسلط کے بعد عیسائی مشنری برصغیر میں اس زعم سے داخل ہوئی کہ وہ ایک فاتح قوم ہیں، مفتوح قومیں فاتح قوم کی تہذیب کو آسانی سے قبول کر لیتی ہیں۔ انھوں نے پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کے دل و دماغ سے اسلام کے تہذیبی نقوش مٹا دیں یا کم از کم انھیں ہلکا کر دیں؛ تاکہ بعد میں انھیں اپنے اندر ضم کیا جاسکے اور اگر وہ عیسائی نہ بن سکیں تو اتنا تو ہو کہ وہ مسلمان بھی نہ رہ جائیں۔ اس محاذ پر دارالعلوم اور اکابر دیوبند نے عیسائی مشنری اور مسیحی مبلغین سے پوری علمی قوت سے ٹکری اور نہ صرف علم و استدلال سے ان کے حملے پسپا کر دیے؛ بلکہ عیسائی تہذیب اور ان کے مذہبی ماخذ پر کھلی تنقید کی، اس سلسلے میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی خدمات سے علمی دنیا اچھی طرح واقف ہے۔

ہندو احواء پرستی کا مقابلہ:

غیر منقسم ہندوستان کی غالب اکثریت ایسے مسلمانوں کی ہے جن کے آباء و اجداد کسی زمانے میں ہندو تھے۔ انگریزوں نے سیاسی اقتدار پر تسلط جمالینے کے بعد

یہاں کے ہندوؤں کو اکسیا کہ یہ مسلمان جو کسی زمانہ میں تمہاری ہی قوم کے ایک حصہ تھے، اس لیے اپنی عددی قوت کو بڑھانے کے لیے انھیں دوبارہ ہندو بنانے کی کوشش کرو؛ چنانچہ انگریزوں کی خفیہ سرپرستی میں ”آریہ سماج“ کے ذریعہ مسلمانوں کو مرتد کرنے کی تحریک پوری قوت سے شروع ہو گئی۔ اسلام کے خلاف اس فکری محاذ پر حالات سے ادنیٰ مرعوبیت کے بغیر اکابر دارالعلوم نے اسلام کا کامیاب دفاع کیا۔ تقریر و تحریر، بحث و مناظرہ اور علمی و دینی اثر و نفوذ سے اس ارتدادی تحریک کو آگے بڑھنے سے روک دیا؛ بالخصوص علمائے دیوبند کے سرخیل اور قائد و امام حضرت حجت الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس سلسلے میں نہایت اہم و موثر خدمات انجام دیں، برصغیر کی مذہبی و سماجی تاریخ کا ہر معمولی طالب علم حضرت موصوف کی ان خدماتِ جلیلہ سے پوری طرح واقف ہے۔ تقسیم ہند کے قیامت خیز حالات میں جب کہ برصغیر کا اکثر حصہ خون کے دریا میں ڈوب گیا تھا، اس ہولناک دور میں بھی شدھی و سنگٹھن کے نام سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی ایمان سوز تحریک برپا کی گئی۔ اس موقع پر بھی علمائے دیوبند وقت کے خونی منظر سے بے پروا ہو کر میدان میں کود پڑے اور خدائے رب العزت کی مدد و نصرت سے ارتداد کے اس سیلاب سے مسلمانوں کو بحفاظت نکال لے گئے۔

قادینیت کا مقابلہ:

الحمد للہ علمائے دیوبند کو یہ فخر حاصل ہے کہ جب ختم نبوت کے اس عظیم بنیادی عقیدہ پر یلغار کی گئی اور انگریز کی خانہ ساز نبوت مسلمانوں کو ارتداد کی دعوت دینے لگی تو علمائے دیوبند سب سے پہلے پوری قوت کے ساتھ میدان میں آئے اور مسلمانوں کو اس ارتدادی فتنہ سے خبردار کیا۔ اکابر دارالعلوم اور اساطین علمائے دیوبند

میدان میں نکلے اور اپنی گراں قدر علمی تصانیف، موثر تقاریر اور لاجواب مناظروں سے انگریزی نبوت کے دجل و فریب کا اس طرح پردہ چاک کیا اور ہر محاذ پر ایسا کامیاب تعاقب کیا کہ اسے اپنے مولد منشاء لندن میں محصور ہو جانا پڑا۔ علمائے دیوبند کے علمی و فکری مرکز دارالعلوم دیوبند کی زیر نگرانی حریم ختم نبوت کی پاسبانی کی یہ مبارک خدمت پوری توانائیوں کے ساتھ آج بھی جاری و ساری ہے۔

رافضیت کا مقابلہ:

دارالعلوم ایک ایسے وقت میں قائم ہوا، جب انگریزوں نے لکھنؤ کی شیعہ حکومت کا ۱۸۵۷ء میں الحاق کر کے اس کا وجود مٹا دیا تھا؛ لیکن اودھ کی شیعہ حکومت اور سلطنت مغلیہ میں ان کے گہرے اثرات کی وجہ ان کے مذہبی عقائد کی چھاپ پورے ہندوستان پر پڑ گئی تھی۔ پورے ہندوستان میں شیعہ عقائد اور ان کے مشرکانہ رسوم غیر شیعہ مسلمانوں کے دل و دماغ میں اس قدر رچ بس گئے تھے کہ اگر ان کو صحیح طور پر کلمہ شہادت بھی ادا کرنا نہ آتا ہو؛ مگر وہ تعزیر داری اور اس کے ساتھ عقیدت مندی کا والہانہ جذبہ سینوں میں موج زن رکھتے تھے اور اس کو اپنے مسلمان ہونے کی سند سمجھتے تھے۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ شیعہ اتنے بڑے ملک میں سینوں کے مقابل میں مٹھی بھر تھے؛ لیکن کروڑوں اہل السنۃ والجماعۃ مسلمانوں کے دلوں میں شیعوں نے اپنے سارے عقائد و مراسم، جذبات و خیالات کی چھاپ ڈال دی تھی اور پورے ہندوستان کو رافضیت کے رنگ میں رنگ دیا تھا۔ علمائے دیوبند کا یہ قابلِ فخر کارنامہ ہے کہ انہوں نے برصغیر کو شیعوں کے ہمہ گیر اثرات سے پاک کیا اور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد و افکار کی حفاظت و اشاعت کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ علمائے دیوبند نے کتابوں، فتاویٰ اور بیانات کے ذریعہ امت مسلمہ کی بھرپور رہنمائی فرمائی۔

شُرک و بدعت کا مقابلہ:

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام جب ہندوستان پہنچا تو یہاں کی قدیم تہذیب و تمدن، رسم و رواج، طور و طریق، ذہن و مزاج اور مذہبی تعلیمات و روایات پر اس نے زبردست اثر ڈالا؛ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہندو تہذیب نے بھی مسلم تہذیب کو کم متاثر نہیں کیا ہے۔ یہ اثرات مسلم سماج میں اس طرح پیوست ہو کر رہ گئے کہ آج یہ احساس بھی مٹ گیا کہ یہ رسم و رواج اور طور و طریق اسلامی معاشرہ میں غیر مسلموں سے آئے ہیں۔ یہی نہیں؛ بلکہ علمائے سونے دنیا کمانے کے لیے شرک و بدعت کی تائید میں سامنے آ گئے اور انھوں نے مستقل فرقہ کی شکل اختیار کر لی۔ علمائے دیوبند نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فرض پوری دیانت داری سے ادا کرتے ہوئے پورے ملک میں اہل بدعت کا مقابلہ کیا، ان سے مناظرے کیے اور عوام پر حق واضح کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ نے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں اور ان کے اخلاف کے ذریعہ اصلاحِ عقائد و اعمال کا یہ مبارک سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

غیر مقلدیت کا مقابلہ:

تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان کی تقریباً تمام اہم مسلم حکومتوں نے مذہبِ حنفی کا اتباع کیا اور فقہِ حنفی ہی تمام قوانین و ضوابط کی بنیاد بنا رہا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی غالب اکثریت مذہبِ حنفی کی پابند تھی۔ پوری مسلم تاریخ میں تقلید سے انحراف، اسلامی روایات سے بغاوت اور سلفِ صالحین سے نفرت و کدورت کا کوئی قابل ذکر ثبوت نہیں ملتا؛ لیکن آخری زمانے میں جب سلطنتِ مغلیہ روبہ زوال تھی اور

ہندوستان میں انگریزوں کے ناپاک قدم پڑ چکے تھے، اس وقت نئی جماعتوں نے جنم لینا شروع کیا۔ عدم تقلید کا فتنہ بھی اسی تاریک زمانے کی پیداوار تھا۔ اس فرقہ نے بالکل خارجیوں جیسا طریقہ کار اپنا کر نصوصِ فہمی کے سلسلہ میں سلفِ صالحین کے مسلّمہ علمی منہاج کو پس پشت ڈال کر اپنے علم و فہم کو حق کا معیار قرار دے کر اجتہادی مختلف فیہ مسائل کو حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کے درجہ میں پہنچا دیا، اور فرد و طبقہ جو ان کی اس غلط فکر سے ہم آہنگ نہیں تھا، اس کو وہ ہدایت سے عاری، مبتدع، ضال و مضل، فرقہ ناجیہ؛ بلکہ دینِ اسلام سے ہی خارج قرار دے دیا۔ علمائے دیوبند نے عمل بالحدیث کے نام سے اباحت، ذہنی آزادی اور ہویٰ پرستی کے اس فتنہ کا بھرپور مقابلہ کیا اور غیر مقلدین کے ذریعہ اٹھائے گئے مسائل پر ان حضرات نے عظیم الشان تحقیقی مواد یکجا کر دیا۔ پچھلی دہائیوں میں عالمِ عرب خصوصاً سعودی عرب میں تیل کی دولت کے ظہور کے بعد جب اس فتنے نے دوبارہ نہایت شد و مد کے ساتھ بال و پر نکالنے شروع کیے اور عرب کی سلفی و وہابی تحریک سے ہم آہنگ ہو کر اور وہاں سے مالی امداد پا کر ہندوستان میں دوبارہ افتراقِ بین الامت کی کوششیں شروع کیں تو پھر علمائے دیوبند میدان میں آگئے اور انھوں نے علم و تحقیق کی سطح پر غیر مقلدین کی ہفوات کا جواب دینے کے ساتھ پورے ملک میں جلسوں اور کانفرنسوں کے ذریعہ عوام کو اس فتنہ سے باخبر کیا۔

ہیچریت اور غیر اسلامی افکار و خیالات کا مقابلہ:

اٹھارہویں صدی میں یورپ سے اٹھنے والے اقتصادی اور سائنسی انقلاب میں جہاں سماجی و سیاسی اور تجارتی و اقتصادی سطح پر بہت ساری مثبت تبدیلیاں وجود میں آئیں، وہیں مذہبی دنیا میں اس نے کھرام بپا کر دیا۔ یورپ کا سائنسی انقلاب دراصل

مذہب یعنی عیسائیت سے بغاوت ہی کے بعد وجود میں آیا تھا؛ کیوں کہ عیسائیت علم و سائنس کی ترقیات کے راستے میں رکاوٹ تھی۔ یورپ کے مذہب بیزار انقلابیوں نے بالآخر مذہب کو فعال اور معاشرتی زندگی سے نکال کر، اسے چرچوں اور انفرادی زندگیوں تک محدود کر دیا۔ مذہب کو ناکارہ، فرسودہ اور ازکار رفتہ سمجھ کر زندگی کے ہر گوشے کو سیکولزم (لامذہبیت یا مذہب بیزاری) اور تعقل کے پہلو سے دیکھنے اور پرکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ مسلمانوں میں پیدا ہونے والے اس عقل پرست نے جہاں ایک طرف جدید معتزلہ اور نیچری پیدا کیے، وہیں اسی فکر کے پیٹ سے انکار حدیث کے فتنہ نے جنم لیا۔ اخیر زمانے میں تجدید پسندی اور مودودیت بھی اسی فکر کا شاخسانہ تھے۔ علمائے دیوبند نے مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت اور اسلامی حدود کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ان باطل افکار و خیالات سے بھی ٹکری۔ انھوں نے دین کے صحیح فہم، اسلامی اصطلاحات و روایات کی سلیم تعبیر اور ہر دور میں اسلامی تعلیمات کی ابدی حقانیت و معنویت کو ثابت کیا۔

ان تمام تحریکات کے علاوہ جب بھی کسی فرد یا جماعت نے ما انا علیہ واصحابی کے جادہ مستقیم سے انحراف کیا اور ملت اسلامیہ کے اندر غلط افکار و نظریات کے سرایت کر جانے کا اندیشہ ہوا تو دارالعلوم کی جانب سے ہمیشہ ان پر نکیر کی گئی۔ غلط عقائد کا سد باب کیا گیا اور اس کی جگہ صحیح و متواتر اسلام پیش کرنے کی خدمات انجام دی گئیں۔ علمائے دیوبند کی انھیں مبارک کوششوں سے الحمد للہ! آج ہندوستان میں دین اسلام اپنی پوری صحیح شکل میں نہ صرف موجود ہے؛ بلکہ مدارس اسلامیہ، جماعت تبلیغ اور دینی اداروں کی برکت سے آج ہندوستان عالم اسلام کے اندر مستند دینی تعلیمات اور صحیح اسلامی روایات کے تحفظ و اشاعت میں سب سے ممتاز نظر آتا ہے۔

مرکز تجدید و احیائے دین

انیسویں صدی کے استعماری دور میں اکابر دیوبند نے اپنی علمی و دینی بصیرت سے اس حقیقت کا پورا ادراک کر لیا کہ سماجی و اقتصادی تبدیلیاں جب اقتدار کے زیر سایہ پروان چڑھتی ہیں تو دینی و روحانی قدروں کی زمین بھی ہل جاتی ہے، اس باب میں عثمانی ترکوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ترک قوم مغربی تہذیب کے طوفان میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی اور مصطفیٰ کمال کی قیادت میں اپنے ماضی سے کٹ گئی جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ ترک اسلامی تہذیب، مغربیت میں فنا ہو گئی اور ایک عظیم اسلامی سلطنت کا صفحہ ہستی سے وجود ختم ہو گیا۔ الغرض! تہذیبِ اسلام کے لیے یہ نہایت نازک وقت تھا۔ تاریخ کے اس انتہائی خطرناک موڑ پر اکابر دیوبند کے سامنے وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ اسلامی تہذیب کو مغربیت کے اس سیلاب سے محفوظ رکھا جائے اور مسلمانوں کے دین و مذہب کا تحفظ کر کے انھیں ارتداد سے بچایا جائے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے پوری بیدار مغزی و ژرف نگاہی سے ہر اس محاذ کو متعین کیا، جہاں سے مسلمانوں پر فکری و عملی یلغار ہو سکتی تھی اور پھر اپنی بساط کی حد تک حکمت و تدبیر کے ساتھ ہر محاذ پر دفاعی خدمات انجام دیں۔

اپنی ایک ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں دارالعلوم نے ہندوستانی مسلمانوں کو جہاں ایک طرف سماجی زندگی کا ترقی یافتہ شعور دیا ہے، تو دوسری طرف انھیں فکر و عمل کا توازن بخشا ہے، آج مسلمانوں کا جو طبقہ اسلامی نظریات کی معقول تعبیر، اسلامی افکار کی اطمینان بخش توجیہ اور صحیح اسلامی زندگی اختیار کیے ہوئے ہے، وہ دارالعلوم کی زائد از سو سالہ علمی و عملی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ عام روایات کے برخلاف یہاں کا مذہبی رجحان کبھی رجعت پسند نہیں رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دارالعلوم ایک ایسا تعلیمی

ادارہ ہے جو قدیم و جدید کے حسین سنگم پر قائم ہے اور جس کی اپنی شان دار روایت اس کے تابناک ماضی کی نقیب اور اس کے عظیم مستقبل کی پیامبر ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے دارالعلوم دیوبند کی ہمہ جہت خدمات کو ’تجدیدِ دین‘ کا عنوان دیتے ہوئے لکھا: ”تجدید و احیائے دین کی جو تحریک گیارہویں صدی سے ہندوستان کو منتقل ہوئی تھی اور اپنے اپنے دور میں مجدد الف ثانیؒ، (شاہ ولی اللہ) محدث دہلویؒ اور شہید بالا کوٹ (سید احمد شہیدؒ) جس امانت کے حامل تھے، دارالعلوم دیوبند اسی وراثت و امانت کا حامل تھا۔ لوگ دارالعلوم کو مختلف زاویہ سے دیکھتے ہیں؛ کوئی اسے علوم اسلامیہ کی یونیورسٹی سمجھتا ہے، کوئی اسے جہادِ حریت کے مجاہدین کی تربیت گاہ قرار دیتا ہے، کوئی اسے دعوت و عزیمت اور سلوک و تصوف کا مرکز سمجھتا ہے؛ لیکن میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ کے لفظوں میں اس کو ”بقائے اسلام اور تحفظِ دین کا ذریعہ“ سمجھتا ہوں۔ دوسرے لفظوں میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ مجددِ امت کا جو سلسلہ چلا آ رہا تھا، دارالعلوم دیوبند اپنے دور کیلئے مجددِ امت کی تربیت گاہ تھی۔ یہیں سے مجددِ اسلام حکیم الامت حضرت تھانویؒ نکلے۔ اسی سے دعوت و تبلیغ کی تجدیدی تحریک ابھری جس کی شاخیں چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہیں سے تحریکِ حریت کے داعی تیار ہوئے، یہیں سے فرقِ باطلہ کا توڑ کیا گیا۔ یہیں سے محدثین، مفسرین، فقہاء اور متکلمین کی کھیپ تیار ہوئی۔ مختصر یہ کہ دارالعلوم دیوبند نے نہ صرف یہ کہ نابغہ روزگار شخصیات تیار کیں؛ بلکہ اسلام کی ہمہ پہلو تجدید و احیائے کے لیے عظیم الشان اداروں کو جنم دیا۔ اس لیے دارالعلوم دیوبند کو اگر تجدید و احیائے دین کی یونیورسٹی کا نام دیا جائے تو یہ اس کی خدمات کا صحیح عنوان ہو گا۔

(ماہنامہ الرشید ساہیوال پاکستان، دارالعلوم دیوبند نمبر، 1976ء، ص 667)

نماز اور خطبہ صرف عربی زبان میں

محمد نجیب قاسمی سنہجلی

نماز صرف عربی میں:

حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے اقوال و افعال کی روشنی میں علماء کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک جو کچھ نماز میں پڑھا جاتا ہے بلکہ نماز سے قبل یعنی اذان و اقامت کا بھی عربی زبان میں ہی پڑھنا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ علماء کرام کی ایک بڑی جماعت نے تحریر کیا ہے کہ سجدہ کی حالت میں اور نماز کے آخر میں درود سے فراغت کے بعد عربی زبان میں وہی دعائیں پڑھنی چاہئیں جو قرآن کریم میں وارد ہیں یا حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہیں۔ قرآن و حدیث میں وارد دعاؤں کے علاوہ عربی زبان میں نماز میں دعائیں مانگنے کو علماء کرام نے مکروہ قرار دیا ہے، بلکہ علماء کرام کی ایک جماعت نے عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں نماز کے اندر دعائیں پڑھنے پر نماز کے اعادہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس لئے ہمیں نماز میں تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں کچھ نہیں پڑھنا چاہئے کیونکہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ میں لوگ جو ق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے تھے حتیٰ کہ عجمیوں کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا مگر ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں حضور اکرم ﷺ یا کسی صحابی نے عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں نماز پڑھنے کی یا نماز میں کسی دوسری زبان میں دعا مانگنے کی اجازت دی ہو بلکہ صحابہ کرام پھر تابعین اور تبع تابعین نے حضور اکرم ﷺ کے اقوال و افعال کی روشنی میں تمام عرب و عجم کو عملی طور پر یہی تعلیم دی ہے کہ نماز میں

سورۃ الفاتحہ، تلاوت قرآن، رکوع و سجدہ کی تسبیحات، تشهد، درود اور مخصوص دعائیں صرف عربی زبان میں ہی پڑھنی ہیں۔ احکام شرعیہ کی بنیاد عقل پر نہیں کہ کس کو صحیح یا غلط سمجھتی ہے بلکہ قرآن کریم میں وارد احکام اور صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین وغیرہ سے منقول حضور اکرم ﷺ کے اقوال و افعال یعنی احادیث نبویہ پر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سجدہ کے دوران اور نماز کے آخر میں دعائیں قبول کی جاتی ہیں، لیکن صحیح مسلم میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز میں لوگوں کے کلام سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے بلکہ نماز میں صرف اللہ کی تسبیح اور تکبیر اور قرآن کریم کا پڑھنا ہے۔ (صحیح مسلم: باب تحریم الکلام فی الصلاة و نسخ ما کان من اباحتہ) اسی لئے نماز کے دوران سلام کا جواب دینا یا کسی چھینکنے والے کے الحمد للہ کہنے کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں یہی رائے ہے کہ نماز میں صرف وہی دعائیں مانگی جائیں جو قرآن کریم میں وارد ہیں یا جن کا پڑھنا حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور علماء احناف کی رائے کتابوں میں مذکور ہے، چنانچہ مختلف فیہ مسائل میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی رائے کو ترجیح دینے والے ہندوپاک کے علماء نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے کہ نماز میں دنیاوی امور سے متعلق دعائیں نہ کی جائیں بلکہ عربی زبان میں صرف وہی دعائیں مانگی جائیں جو قرآن کریم میں وارد ہیں یا حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہیں۔ سجدہ کی حالت اور نماز کے آخر میں درود پڑھنے سے فراغت کے بعد کے علاوہ متعدد مواقع ہیں کہ جن میں کی گئی دعائیں قبول کی جاتی ہیں، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان کی جانے والے دُعارد

نہیں ہوتی ہے، لہذا اس وقت خوب دعائیں کرو۔ (ترمذی، مسند احمد، ابوداؤد، صحیح ابن خزمہ) اس لئے نماز کے اندر اپنی دنیاوی ضرورتوں کو نہ مانگا جائے بلکہ نماز کے باہر بے شمار اوقات اور حالات ہیں جن میں دعائیں قبول کی جاتی ہیں، ان اوقات و حالات میں اپنی، اپنے بچوں اور گھر والوں کی دنیاوی ضرورتوں کو خوب مانگیں۔

حنبلی مکتب فکر کی مشہور کتاب (الانصاف) میں تحریر ہے کہ وہ دعائیں جو قرآن کریم میں وارد نہیں ہیں یا حضور اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہیں اور اخروی امور سے متعلق نہیں ہیں تو صحیح مذہب یہی ہے کہ نماز میں اس طرح کی دعائیں نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس نوعیت کی دعاؤں سے نماز باطل ہو جاتی ہے، اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔ حنبلی مکتب فکر کے مشہور عالم علامہ ابن قدامہؒ نے اپنی کتاب (المغنی ۲ / ۲۳۶) میں تحریر کیا ہے کہ نماز میں ایسی دعائیں کرنا جائز نہیں جن کا تعلق دنیا کی لذتوں اور شہوتوں سے ہے اور جن کا تعلق انسانوں کے کلام اور ان کی خواہشوں سے ہے۔

مذکورہ بالا دلائل اور علماء امت کے اقوال کی روشنی میں مسئلہ واضح ہو گیا کہ اگر ہم اپنی نماز کے اندر (یعنی سجدہ کی حالت میں اور آخری رکعت میں درود پڑھنے کے بعد) دعا کرنا چاہتے ہیں تو عربی زبان میں صرف وہی دعائیں مانگیں جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے یا جن کا پڑھنا حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ جن حضرات کو ایسی دعائیں یاد نہیں ہیں تو ان کے لئے نماز کے علاوہ بے شمار اوقات و حالات ہیں جن میں دعائیں قبول کی جاتی ہیں، مثلاً اذان و اقامت کے درمیان کا وقت، فرض نماز سے فراغت کے بعد وغیرہ وغیرہ، ان اوقات و حالات میں جتنا چاہیں اور جس زبان میں چاہیں اپنی اور اپنے بچوں کی دنیاوی و اخروی ضرورتوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ سے مانگیں، وہ قبول کرنے والا ہے۔

خطبہ صرف عربی میں:

نماز میں سورۃ الفاتحہ، تلاوت قرآن اور رکوع وسجدہ کی تسبیحات وغیرہ کی طرح جمعہ اور عیدین کا خطبہ بھی صرف عربی زبان میں ہونا چاہئے کیونکہ خطبہ میں وعظ ونصیحت سے زیادہ اللہ کا ذکر مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ نماز جمعہ کے لئے خطبہ کا ضروری ہونا، خطبہ پڑھنے کے لئے ظہر کے وقت کا ضروری ہونا، خطبہ کا نماز جمعہ سے قبل ضروری ہونا، خطبہ سے فراغت کے بعد بلا تاخیر نماز جمعہ کا پڑھنا، خطبہ کے دوران سامعین کا گفتگو نہ کرنا حتیٰ کہ کسی کو نصیحت بھی نہ کرنا، نیز نماز کی طرح بعض احکام کا مسنون ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ خطبہ میں اصل مطلوب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور وعظ ونصیحت کی حیثیت ثانوی ہے کیونکہ وعظ ونصیحت کے لئے یہ تمام شرطیں ضروری نہیں ہیں۔ قرآن کریم، سورۃ الجمعۃ (فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ) میں وارد ذکر کے لفظ سے اس کی تائید ہوتی ہے، نیز صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے کہ جب امام خطبہ کے لئے نکلتا ہے تو فرشتے ذکر سننے کے لئے مسجد کے اندر آجاتے ہیں۔ غرضیکہ قرآن وحدیث میں نماز کی طرح خطبہ کو ذکر سے تعبیر کیا ہے یعنی خطبہ نماز کی طرح اللہ کا ذکر یعنی عبادت ہے، لہذا ہمیں خطبہ دینے کے لئے انہیں امور پر انحصار کرنا چاہئے جن کا ثبوت حضور اکرم ﷺ سے ملتا ہے۔

اگر جمعہ کا خطبہ کسی دوسری زبان میں دینا جائز ہو تا تو حضور اکرم ﷺ سے پوری زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ اس کا ثبوت ملتا، لیکن تمام عمر نبوی میں اس قسم کا ایک واقعہ بھی مروی نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام بلاد عجم میں داخل ہو کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔ ان صحابہ کرام کے خطبوں کے الفاظ تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں، ان میں کسی ایک صحابی نے زندگی میں ایک مرتبہ بھی بلاد عجم

میں داخل ہونے کے باوجود مخاطبین کی زبان میں جمعہ کا خطبہ نہیں دیا، حالانکہ وہ لوگ احکام شریعہ سے واقفیت کے لئے آج سے کہیں زیادہ محتاج تھے۔ بہت سے صحابہ کرام دوسری زبانیں بھی جانتے تھے مگر کسی نے عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں جمعہ کا خطبہ نہیں دیا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مختلف زبانیں جانتے تھے، اسی طرح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فارس کے رہنے والے تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشہ کے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روم کے باشندے تھے، بعض صحابہ کرام کی مادری زبان عربی کے علاوہ دوسری تھی مگر تاریخ میں ایک واقعہ بھی نہیں ملتا جس میں عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں کسی صحابی نے جمعہ کا خطبہ دیا ہو۔ صحابہ کرام کے بعد تابعین اور تبع تابعین نے بھی عربی زبان میں ہی خطبہ دینے کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ کسی مشہور محدث یا مفسر سے بھی عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ جمعہ پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ سیاسی و انتظامی امور کے لئے مختلف زبانوں کے ترجمان بھی رکھے گئے مگر ایک مرتبہ بھی خطبہ کسی دوسری زبان میں نہیں پڑھا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بعض مقاصد کے لئے اپنے پاس ترجمان رکھے تھے مگر ایک مرتبہ بھی انہوں نے خطبہ عربی کے علاوہ دوسری زبان میں نہیں دیا۔

برصغیر کی اہم و معروف شخصیت جن کو ہندوپاک کے تمام مکاتب فکر نے تسلیم کیا ہے یعنی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۷۲۳م) نے اپنی شرح موطا میں تحریر کیا ہے کہ خطبہ عربی زبان ہی میں ہونا چاہئے کیونکہ تمام مسلمانوں کا مشرق و مغرب میں ہمیشہ یہی عمل رہا ہے باوجودیکہ بہت سے ممالک میں مخاطب عجمی لوگ تھے۔ ریاض الصالحین کے مصنف و صحیح مسلم کی سب سے زیادہ مشہور شرح لکھنے والے

امام نوویؒ نے اپنی کتاب الاذکار میں تحریر کیا ہے کہ خطبہ کے شرائط میں یہ بھی ہے کہ وہ عربی زبان میں ہو۔ ہندوپاک کے جمہور علماء کا بھی یہی موقف ہے کہ خطبہ صرف عربی زبان میں ہونا چاہئے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ جب مخاطبین عربی عبارت کو نہیں سمجھتے تو عربی زبان میں خطبہ پڑھنے سے کیا فائدہ۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں ذکر کیا گیا کہ خطبہ میں وعظ و نصیحت سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر یعنی عبادت ہے، اور عبادت میں اپنے عقلی گھوڑے دوڑانے کے بجائے صرف انہیں امور پر انحصار کرنا چاہئے جن کا ثبوت حضور اکرم ﷺ سے ملتا ہے۔ نیز اگر یہ اعتراض خطبہ پڑھنے پر عائد ہوتا ہے تو نماز، قرأت قرآن، اذان و اقامت اور تکبیرات نماز وغیرہ سب پر یہی اعتراض ہونا چاہئے بلکہ قرأت قرآن پر بہ نسبت خطبہ کے زیادہ عائد ہونا چاہئے کیونکہ قرآن کے نزول کا تو مقصد ہی لوگوں کی ہدایت ہے، اور عمومی طور پر ہدایت کے لئے صرف تلاوت کافی نہیں ہے بلکہ اس کا سمجھنا بھی ضروری ہے، مگر دنیا کا کوئی بھی عالم نماز میں عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں قرأت قرآن کی اجازت نہیں دیتا۔

لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ ہم اپنے نبی ﷺ اور صحابہ کرام کی اتباع میں خطبہ صرف عربی زبان میں دیں تاکہ کسی طرح کا کوئی شک و شبہ ہماری عبادت میں پیدا نہ ہو، خواہ خطبہ مختصر ہی کیوں نہ ہو بلکہ خطبہ مختصر ہی ہونا چاہئے کیونکہ احادیث کی کتابوں میں حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات مختصر خطبہ دینے کی ہیں اور آپ ﷺ خود بھی عمومی طور پر زیادہ لمبا خطبہ نہیں دیا کرتے تھے۔ ہاں اذان خطبہ سے قبل یا نماز جمعہ کے بعد خطبہ کا ترجمہ مخاطبین کی زبان میں تحریری یا تقریری شکل میں پیش کر دیا جائے تاکہ خطبہ کا دوسرا مقصد وعظ و نصیحت بھی مکمل ہو جائے۔

مسلم معاشرہ اور جدید میڈیا کا کردار

میر انسر امان، کراچی

مسلم معاشرے سے مراد اگر موجودہ مسلم معاشرہ ہے تو یہ مسلم معاشرے کی بگڑی ہوئی شکل ہے مسلم معاشرے کو ہمارے آقاؤں نے توڑ پھوڑ دیا ہے اس کی مثال کچھ واقعات سے ہم اخذ کر سکتے ہیں جب صلیبیوں نے ترکی کو شکست دی خلافت کو ختم کیا مسلمانوں کو چھوٹے چھوٹے راجوڑوں (ملکوں) میں بانٹ دیا تو ساتھ ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ ہم نے مسلم معاشرے کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے اتا ترک نے ترکی میں اسلام کی ساری کی ساری معاشرت کو ریاستی جبر سے ختم کیا اس کی جگہ مغرب کی شیطانی معاشرت کو رائج کر دیا جس کو آج تک سنبھلنے کا موقع نہیں مل سکا۔

کچھ مدت پہلے ایسی ہی کوشش کا ذکر بھارت میں کانگریس کی سربراہ سونیا گاندھی نے کیا اور کہا تھا کہ مسلمانوں کی معاشرت (تہذیب) کو ہم نے ختم کر دیا اسی طرح یہودیوں کے پروٹوکول میں بھی درج ہے کہ فلاں وقت تک ہم نے میڈیا پر کنٹرول حاصل کرنا جو انہوں نے حاصل کر لیا جس پر عمل کرتے ہوئے اس وقت دنیا کی تمام بڑی بڑی خبر رساں ایجنسیاں اور الیکٹرونک میڈیا پر یہودیوں کے کنٹرول میں ہیں دنیا اور خصوصاً مسلم معاشرے میں وہی خبر آتی ہے جو وہ چھان بین کر اپنے مطلب کی بنا کر نشر کرتے یا پیش کرتے ہیں۔

دوسری طرف مسلم دنیا میں میڈیا پر کوئی خاص پیش رفت نہیں کی گئی جس وجہ سے مغربی میڈیا جس رخ پر مسلم معاشرہ کو چاہتا ہے ہانک کر لے جاتا ہے بلکہ مسلم حکومتوں میں ڈالر کی چمک دکھا کر میڈیا کے لوگوں کو خریداجاتا جس کی خبریں ہمیں

پاکستان میں بھی اکثر ملتی رہتی ہیں۔

صحیح مسلم معاشرہ ہمارے پیارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مدینے میں قائم ہوا تھا جسے دنیا کی شیطانی قوتیں ہر دور میں ختم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں مگر وہ اسے بالکل ختم نہیں کر پائے صرف اس میں بگاڑ پیدا کر سکے ہیں۔ میڈیا نام ہے معلومات کی ابلاغ کا، الیکٹرونک، پرنٹ یا زبانی ہو۔ میڈیا کے ذریعے معاشرے پر اثر انداز ہونا، معاشرے کی نشوونما پر میڈیا کا اثر ہر زمانے میں مانا گیا ہے۔

اسلام سے پہلے بادشاہوں کے دور میں یہ کام بادشاہ کے قصہ گو زبانی عوام تک بادشاہ کی خبریں پہنچاتے تھے جس میں اللہ سے ڈرنے کے بجائے بادشاہ سے ڈراتے تھے طریقہ یہ رائج تھا کہ ”قصہ گو خبر کو اس طرح عوام تک پہنچاتے تھے کہ ایک تھا بادشاہ تیرا میرا اللہ بادشاہ... پھر آگے خبر شروع ہو جاتی تھی“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں دنیا کے سارے غلط چلن ختم کیے وہاں میڈیا کی سمت بھی درست کی خبر کو عام کرنے کے لیے مقدس جگہ مسجد تھی رسولؐ مسجد نبوی کے ممبر پر بیٹھ کر (خبر) احکامات دیا کرتے تھے جو معاشرے میں اللہ کے حکم کا درجہ رکھتی تھی اُس پر ہر مسلمان کا عمل فرض قرار دیا گیا تھا اسی مسجد کے میڈیا کے ذریعے مسلم معاشرہ قائم ہوا تھا عام مسلمان کسی بھی خبر کو پہلے تحقیق کر کے آگے بیان کیا کرتا تھا کسی کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ کافی تھا کہ ادھر سے بات سنی ادھر بغیر تحقیق کے آگے پھیلا دی۔

یہی مسلم معاشرہ اسی دنیا میں خلفائے راشدینؓ کے دور تک قائم تھا مساجد میں خطیب اللہ کی کبریائی جو سب سے بڑی خبر ہے کے ساتھ ساتھ مسلم معاشرے کی

نشو و نما اور اخلاق سدھارنے کی ذمہ داری بھی ادا کرتے تھے سارا مسلم معاشرہ، ایک مسلم قومیت میں زعم ہو گیا تھا اسی مسلم معاشرے پر شاعر اسلام علامہ محمد اقبال مرحوم نے کہا تھا۔

اپنی ملت پہ قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں ہے قوم رسول ہاشمی
پھر اس مسلم معاشرے میں تبدیلی آنا شروع ہوئی خلافت عام مسلمانوں کی
رائے کے بجائے اپنے خاندان میں قائم ہونے لگی خزانہ حکمرانوں کے ذاتی ملکیت میں
چلا گیا۔ وفاداری کا معیار اللہ اور رسول کی بجائے حکمرانوں کے ساتھ منسلک ہو گیا فرد
کی آزادی کم سے کم ہوتی گئی مسجد جو اس وقت کا سب سے بڑا میڈیا کا ذریعہ تھی
حکمرانوں کے کنٹرول میں چلا گیا اب وہی بات صحیح مانی گئی جو حکمرانوں نے کہی جس نے
حق و سچ بیان کرنے کی کوشش کی اس کے گلے کاٹے گئے اور پس زنداں ڈالے گئے۔

پھر دنیا میں فاصلے کم ہونا شروع ہوئے ابلاغ میں آسانی پیدا ہوئی سفری
سہولتیں جانوروں کے بجائے مشین کے ذریعے حاصل ہو گئیں موٹر کار اور ہوائی جہاز
نے آسانیاں پیدا کر دیں ساتھ ہی ساتھ ذارع ابلاغ نے ترقی کی چھاپا خانے وجود میں
آئے اس کے بعد ریڈیو ایجاد ہوا فلم جس میں انسان کی شکل سامنے دیکھی جاسکتی تھی
ایجاد ہوئی ٹیلیوژن ایجاد ہوا ابلا آخر ایسے ذریعے ایجاد ہوئے کہ ایک شخص زمین کے
ایک کونے سے اپنی بات پوری دنیا کو سنانے کے قابل ہو گیا۔

ان آسانیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مقتدر قوموں اور حکومتوں نے اپنے
مقصد کے لیے اپنے مخالفوں کے اندر نفوذ کرنا شروع کیا جدید میڈیا سے خوف کی فضاء
پیدا کی گئی جیسے افغان جہاد میں اس کے حواری ڈراتے تھے کہ روس ایک دفعہ جس ملک

میں داخل ہوا واپس نہیں گیا اب یہودی کنٹرولڈ میڈیا امریکہ سے کمزور قوموں کو ڈرا رہا ہے اسی میڈیا کے ذریعے اپنی تہذیب کو بڑھا چڑھا کے پیش کر رہے ہیں اپنے فنکاروں سے ڈراموں کے ذریعے پرانی تہذیبوں کا مذاق اڑایا گیا اور اس کی جگہ اپنی تہذیب کو ترقی کے لیے زینے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اسی میڈیے کے زور سے کمزور قوموں کی معاشرت کو ختم کر کے اپنی معاشرت کو پروان چڑھایا جاتا ہے مختلف قسم ڈیز منائے جاتے ہیں جیسے آج ویلٹائین ڈے منایا جا رہا ہے بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے ذریعے بھی یہ کام کیا جا رہا ہے۔

مسلم معاشرے، خاص کر پاکستان میں ان تمام ذریعوں کو استعمال کیا جا رہا ہے مغربی شیطانی معاشرہ جس میں بے حیائی عام ہے عورت جو اسلام میں ماں بہن بیٹی کے روپ میں تقدس کی مالک ہے مغرب میں اسے شمع محفل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے معاشی ضرورت کے لیے اسے نیم عریاں کر کے پیش کیا جا رہا ہے سرمایہ دار کا کوئی پروڈکٹ جب تک عورت کا حسین جمیل چہرہ نہ پیش کیا جائے فروخت ہی نہیں ہوتا ہوٹلوں اور کلبوں میں عورتیں مادر زادننگی ہو کر بیلے ڈانس کرتی ہیں فعل قوم لوط کو عام کر دیا گیا ہے بلکہ مغرب نے اس فتنے فعل کو آئین کا حصہ بنا دیا ہے۔

پچھلے دنوں ہمارے دوست نما دشمن امریکا کے سفارت خانے میں ہم جنسوں کا اجتماع ہوا تھا جو ہمارے مذہب اور معاشرت پر حملہ ہے خاموشی سے ہمارے سکولوں میں جنسی تعلیم رائج کر دی گئی ہے مغرب میں ایک ہی پانی کے عوض میں باپ بھائی ماں بیوی بہن نیم عریاں نہانے کے لباس میں نہاتے ہیں جس سے بے حیائی پھیلتی ہے جبکہ مسلم معاشرے میں عریانی نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ سوسائٹی میں پردے کا حکم ہے مغربی معاشرے میں عورت کو بھی کمائی میں لگا دیا ہے جبکہ اسلام میں گھر کی معاشی

ضروریات کا ذمہ دار مرد ہے عورت پر معاشی ذمہ داری نہیں ہے۔

ان غلط کاموں کی وجہ سے مغرب کا معاشرہ سیکی سوسائٹی بن گیا ہے باپ کے سامنے نوجوان بیٹی کہتی ہے اوکے ڈیڈ میں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ جا رہی ہوں ان کے خاندانی نظام کا یہ حال ہے کہ مرد کارخانے سے شام کو کام سے واپس آتا ہے بیوی کی طرف سے میز پر تحریر پڑی ہوتی ہے میں تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی ہوں کل کورٹ میں فیصلے کے لیے آجانا مغرب کے اپنے سروے کے مطابق مغربی معاشرے میں چالیس فی صد حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں اس جدید شیطانی معاشرے کی کیا کیا خامیاں بیان کی جائیں مغربی معاشرہ مکمل تباہ ہو چکا ہے اسی معاشرے کو جدید میڈیا مسلم دنیا اور پاکستان میں خاص کر پیش کر رہا ہے حکومتیں جن کا کام عوام کی حفاظت کے ساتھ ان کی تہذیب کی بھی رکھوالی ہوتی ہے بری طرح اس جدید میڈیے کے شکنجے میں پھنسی ہوئی ہے۔

اس کی وجہ بیرون ملکوں سے قرضوں کا حصول ہے جو قرض دیتے ہیں وہ اپنی شیطانی تہذیب بھی مسلط کرتے ہیں پاکستان میں الیکٹرونک میڈیا گھنٹوں فلمی ایکٹروں کی موت ان کی عمر اور ان کی کارکردگی پر شو پیش کرتے ہیں اس کے مقابلے میں قوم کے ہیروں کو وقت نہیں دیا جاتا جو پاکستانی مسلم تہذیب کے مخالف ہیں انہیں زمین سے آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا جاتا جیسے حال ہی میں ملالہ یوسفزئی کو پوری دنیا کا لیڈر بنا دیا گیا ہے۔ مغربی ملک خاص کر امریکا میڈیا کو خریدنے کے لیے فنڈ مختص کرتے ہیں اس سے پاکستانی میڈیا بھی مستفیض ہوا ہے اسی لیے اس کو امریکی فنڈ میڈیا کہا جا رہا ہے دوسری طرف امن کی آشنا کے نام پر بھارتی ہندوانہ تہذیب کو پاکستان پر زبردستی ٹھونس جا رہا ہے یہ اسی جدید میڈیا کا کردار ہے جو ہمارا معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے

ایک ایک کر کے اسلامی قدروں کو ختم کیا جا رہا ہے اس میں پاکستانی حکومتیں بین الاقوامی قوانین کے تحت پابند ہیں اقوام متحدہ کے بین الاقوامی ادرے جو مغربی صلیبی ملکوں کے قبضے میں ہیں جو خود شیطانی تہذیب کے معمار ہیں وہ دنیا میں کبھی ماں کا دن، باپ کا دن، بچوں کا دن، عورتوں اور ویلنٹائن ڈے منانے کے ذریعے اپنی تہذیب مسلط کر رہے ہیں یہ جدید میڈیا کا کردار ہے جس نے مسلم معاشرے خاص کر پاکستانی معاشرے کو اسلام سے دور کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو غصہ سے کہا کہ "خدا کی قسم جب تک تم مجھ سے بات نہیں کرو گی میں بھی تمہارے ساتھ نہیں بولوں گا" عورت نے بھی غصہ میں کہہ دیا "خدا کی قسم جب تک تم مجھ سے نہ بولو گے میں بھی نہیں بولوں گی" اس وقت تو غصہ میں قسم کھا بیٹھے لیکن بعد میں پریشان کیونکہ بولنے پر ان کے خیال میں قسم ٹوٹی اور بھاری کفارہ لازم پڑتا تھا اور نہ بولتے تو بسر کیسے ہوتا۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ جو بھی بات کرے گا اس پر کفارہ لازم پڑے گا اس کے سوا چارہ نہیں۔ آدمی بیچارہ غریب تھا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ جاؤ شوق سے باتیں کرو کسی پر کفارہ نہیں۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو پتا چلا تو برہم ہوئے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آکر ان سے فرمایا آپ لوگوں کو غلط مسئلہ نہ بتایا کریں۔ اس پر امام صاحب نے دونوں میاں اور بی بی کو بلوایا اور دوبارہ واقعہ پوچھا اور فرمایا جاؤ اب بھی وہی مسئلہ ہے کسی پر کفارہ نہیں۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ: کیوں؟ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ: "جب عورت نے شوہر کے جواب میں قسم کھائی تو وہ بولنا ہی تھا نا! اب شوہر کی قسم تو باقی نہ رہی" سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ حیران ہوئے اور فرمایا کہ جو بات وقت پر آپ سوچ لیتے ہیں ہمارا وہاں خیال بھی نہیں جاتا۔

از تاریخ کے دریچوں سے؛ مفتی تقی عثمانی صاحب

اخلاقی دیوالیہ پن

شیخ ولی خان المظفر

عالم انسانی اور بالخصوص پاکستان جو اس وقت گوناگوں المیوں کی زد میں ہے اور مختلف النوع مقامی و عالمی مسائل کی ہولناکیوں سے کرہ ارضی بد امنی و بد مزگی کی تصویر پیش کر رہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ سب عالم بشری میں ان بلند پایہ انسانی اقدار اور عالی اخلاق کی پستی اور کمزوری کے سبب ہے جو اخلاق و اقدار ماضی میں ہمارے مایہ افتخار اسلاف اور عظیم المرتبت بزرگوں کی عظمت و سطوت کا راز تھے۔ سلف صالحین کے اخلاق میں سے یہ ہے: لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے، اگرچہ وہ عمل نہ کریں اور برائی سے نہ رکیں، افسوس اس عادت و مزاج سے آج کل بہت لوگ خالی اور عاری ہیں۔ امیر المومنین حضرت علیؓ فرماتے ہیں، جو برائی سے روکے اور فاسقوں سے دلی عداوت رکھے، اور جب محرمات الہی کی پرواہ نہ کی جائے، ناراض ہو، تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے واسطے ان لوگوں سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ حفص بن حمیدؓ سے کسی نے کہا، سفیان ثوریؒ کو کس چیز نے اس اعلیٰ درجہ تک پہنچا دیا، حالانکہ ان کے زمانہ میں بہت سے عالم اور عابد ایسے تھے، جو زہد اور علم و عبادت میں ان سے کم نہ تھے؟ آپ نے فرمایا، اللہ ان پر رحم کرے، آپ نافرمانوں کو حقیر جاننے اور ان کی بے جا رعایت نہ کرنے کے سبب اعلیٰ درجہ پر فائز ہوئے، آپ کا یہ حال تھا کہ بسا اوقات اگر آپ کسی برائی کو دیکھتے اور اسے روک نہ سکتے، تو غم و غصہ کے سبب خون کا پیشاب ہونے لگتا۔

اویس قرنیؓ فرماتے ہیں، مومن کا حق پر قائم ہونا، اس کے لئے دنیا میں کوئی

دوست نہیں چھوڑتا، اگر کوئی شخص لوگوں کو نیکی بات بتلائے یا برائی سے روکے، تو اس پر بڑی تہمتیں لگاتے ہیں اور اس کی عزت خراب کرتے ہیں۔ ابو درداءؓ فرماتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ظالم بادشاہ مقرر کر دے گا، جو نہ تمہارے معزز کی عزت کرے گا اور نہ چھوٹے پر رحم کرے گا، پھر تم میں کتنے ہی نیک لوگ اس پر بد دعا کریں گے، مگر قبول نہ ہوگی اور تم اللہ سے امداد طلب کرو گے لیکن تمہاری امداد نہ ہوگی اور استغفار کرو گے مگر قبول نہ ہوگا۔

حذیفہ بن یمانؓ فرماتے ہیں، میں عمر بن خطابؓ کے پاس گیا، انہیں غمگین اور متفکر دیکھا، میں نے دریافت کیا، آپ کو کس چیز نے مغموم کیا؟ آپ نے فرمایا، میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں کوئی گناہ کر بیٹھوں اور تم میری تعظیم کرتے ہوئے مجھے فعل بد سے نہ روکو، تو حذیفہؓ نے فرمایا، بخدا اگر ہم تجھے سچائی سے دور دیکھیں گے، تو ضرور روکیں گے، پس اگر آپ نہ رُکے تو آپ کو تلوار سے قتل کر دیں گے، یہ سن کر حضرت عمرؓ خوش ہوئے اور کہنے لگے، اللہ کا شکر ہے جس نیاں امت میں میرے دوست ایسے بنائے ہیں کہ اگر میں کج روی اختیار کروں گا، تو وہ مجھے سیدھا کر دیں گے۔ ابو امامہؓ فرماتے ہیں، اس امت کے بعض لوگ بندر اور خنزیر کی شکل میں قیامت کو اٹھیں گے، کیونکہ وہ نافرمانوں سے ملتے جلتے ہیں اور ان کو نافرمانی اور معصیت سے منع نہیں کرتے تھے، حالانکہ وہ انہیں روکنے کی قدرت رکھتے تھے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کے نزدیک بڑا گناہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو بطور نصیحت کہے کہ تو اللہ سے ڈر، اور وہ اس کا جواب دے، تو اپنے آپ کو سنبھال۔

سفیان ثوریؓ فرماتے ہیں، جب تم کسی شخص کو ہمسایوں اور ہم نشینوں کا

محبوب، پیار اور لوگوں کا مقرب دیکھو، تو جان لو کہ وہ مد اہن یعنی دین میں سستی کرنے والا ہے۔ فی الحقیقت مد اہن وہ ہے جو لوگوں کو ایسی باتوں سے خوش کرے، جن سے ان کے دین میں خلل ہو۔

مالک بن دینار سے مروی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی فرمائی کہ فلاں فلاں گاؤں پر عذاب کرو، تو فرشتوں نے بڑی عاجزی سے التجا کی، اے اللہ! اس میں فلاں عابد تیرا ایک بندہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اسے عذاب دے کر مجھے اس کی آہ و زاری سناؤ، کیونکہ اس کا چہرہ میری حدود کی پامالی دیکھ کر کبھی بھی متغیر نہیں ہوا۔ کسی نے سفیان ثوریؒ سے کہا، کیا وہ شخص بھی امر بالمعروف کرے، جسے یقین ہو کہ اس کی بات مقبول نہیں ہوگی؟ آپ نے فرمایا، ہاں! تاکہ اللہ کے نزدیک وہ معذور ہو جائے۔ مالک بن دینارؒ تأسفاً فرماتے تھے، نیکی روتی ہوئی چلی گئی اور برائی ہنستی ہوئی آئی ہے۔

علامہ شعرانی فرماتے ہیں: اے دوست! ان خصلتوں کو اپنے اوپر جانچ تاکہ تجھے معلوم ہو کہ تو بھی برائی کو برا جانتا ہے یا نہیں نیز یہ کہ کیا تو ان لوگوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے یا نہیں، اور کیا تو نے رسول مقبول ﷺ کی شریعت کی امداد و نصرت کی ہے یا اسے بلا مدد چھوڑ رکھا ہے، حالانکہ تجھے گمان ہے کہ تو ایک امتی ہونے کے ناتے رسول اللہ ﷺ کا نائب ہے، لوگوں کو دین الہی کی طرف پکارتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد علمائے امت کو امین بنایا ہے۔

آج کل اکثر لوگوں نے اپنے افعال و اقوال اور برائی پر خاموشی کرنے سے دین کو بے مدد چھوڑ دیا ہے اور گناہ سے باز رہنے اور نیکی پر عمل کرنے کی ان میں طاقت نہیں ہوتی۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

تبصرہ کتب

..... مولانا محمد کلیم اللہ

نام کتاب: اشعار خطابت

مؤلف: مفتی فیصل رشید

ملنے کا پتہ: مکتبۃ الرشید 03226917519

خطابت ایک عظیم الشان فن کا نام ہے۔ لیکن یہ فن محض فن ہی نہیں جسے دنیا کے حصول کے لیے استعمال کیا جائے بلکہ ایک دلی درد اور قلبی کڑھن ہے۔ جس سے مقصود معاشرے میں بسنے والے لوگوں کی سوچ و فکر اور ان کی عملی زندگی کو اپنے خیالات کے مطابق ڈھالنے کا۔ اسلامی خطابت کا مطلب یہ ہے کہ خلوص نیت اور صدق مقال کے ساتھ اسلامی عقائد و نظریات اور تعلیمات کو لوگوں کے دلوں میں پیوست کیا جائے اور شکوک و شبہات سے ان کے اذہان و قلوب کو صاف کیا جائے۔

اس خطابت میں چاشنی پیدا کرنے اور اس کی افادیت کو دوچند کرنے کے لیے جہاں باقی لوازمات خود اعتمادی، وضع قطع، باڈی لینگویج، صوتی مدد و جزر اور لہجے کا اتار چڑھاؤ وغیرہ ضروری ہیں وہاں پر اشعار کو بھی اس میں خاصا دخل ہے۔

آج کے دور میں دینی مدارس میں علوم نبوت حاصل کرنے والے طلباء کرام کل کے مقتداء، پیشوا اور راہنمائے قوم ہیں۔ یہی غنچے جب چٹخیں گے تو چمن میں بہار آئے گی۔ اس قوم کی قیادت و سیادت علماء کرام کے سر پر ہے۔ اس لیے ہمارے مدارس کے طلباء کو اپنے اندر ہر وہ خوبی پیدا کرنے کی محنت کرنی چاہیے جس سے خود ان کی اپنی اور معاشرے کی اصلاح ممکن ہو سکے۔

حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ ان من الشعر حکمة بعض اشعار پر حکمت

ہوتے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب محترم جناب مفتی فیصل رشید چنیوٹی کی بہت عمدہ تالیف ہے اکابر شعراء کے کلام کی معنویت کے ساتھ ساتھ اس کتاب کا خاصہ یہ ہے کہ یہ معرفت خداوندی، محبت نبوی، اطاعت صحابہ، عظمت اولیاء اور معاشرتی احوال کی اصلاح پر مشتمل سینکڑوں اشعار کا خوبصورت گلدستہ ہے۔ کتاب جہاں مؤلف کے حسن ذوق کی آئینہ دار ہے وہاں پر یہ طلباء برادری کو اس موضوع پر کافی زیادہ کتابوں سے مستغنی اور بے نیاز کر دیتی ہے دینی مدارس کے طلباء اور فضلاء کرام کے لیے بے حد مفید اور نایاب تحفہ ہے۔

درمیانے کاغذ پر خوبصورت قافیہ بندی اس کے حسن میں مزید نکھار پیدا کر رہی ہے۔ ٹائٹل کی جاذبیت قاری کے سکون میں اضافے کا باعث ہے۔ طلباء کرام بالخصوص اسے خریدیں اور ان اشعار کو اپنی تقاریر میں استعمال کریں۔

توجہ فرمائیں!

- ☀ تبصرے کے لیے دو کتابوں کا بھیجنا ضروری ہے۔
- ☀ ادارہ کا مؤلف کتاب کے خیالات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔
- ☀ تبصرہ کے لیے بھیجی جانے والی کتابیں درج ذیل پتہ پر روانہ کریں۔

دفتر رسائل و جرائد

(برائے تبصرہ کتب: ماہنامہ فقیہ)

مرکز اہل السنۃ والجماعت 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

03326311808

لوحِ ایام

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا میں معزز مہمانان گرامی کی آمد اور متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ کے اندرون و بیرون ممالک کے مختلف مسلکی اسفار اہم مذہبی، سیاسی اور سماجی شخصیات سے خصوصی ملاقاتیں

☆ نئے تعلیمی سال کا آغاز --- مرکز اہل السنۃ والجماعت میں شعبہ حفظ القرآن، شعبہ کتب (درجہ متوسطہ اول تا ثانویہ عامہ) اور ایک سالہ تخصص فی التحقیق والدعوۃ میں داخلے --- جوق در جوق تشنگان علم کی تشریف آوری۔

☆ 6 جولائی کو مرکز اہل السنۃ والجماعت میں عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعت کے مرکزی و صوبائی ذمہ داران کا دوروزہ اجلاس ہوا۔ جس میں جماعتی کام کو مزید منظم کرنے اور مسلک احناف کی اشاعت و تحفظ کے موضوع پر بات چیت اور مشاورت جاری رہی۔

☆ عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعت کے زیر اہتمام مرکز اہل السنۃ والجماعت میں 14 اگست کو استحکام پاکستان سیمینار اور استحکام پاکستان ریلی جس میں سیاسی، سماجی اور مذہبی قائدین و ورکرز نے بھرپور شرکت کی۔

☆ عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعت کی طرف سے ملک بھر میں بڑے پیمانے پر تحفظ سنت کا نفرنسز کا انعقاد اور متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ کے خصوصی خطابات۔

☆ دنیائی وی پر متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن نے درس قرآن ارشاد فرمایا

☆ مرکز اہل السنۃ والجماعت میں ماہانہ تین روزہ تحقیق المسائل کورس بھی ہوا

شکایت کیسے درج کرائی جائے!!

تمام خریدار اور ایجنسی ہولڈرز کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ماہنامہ فقہ ہر انگریزی ماہ کی 2 تاریخ تک آپ کی طرف روانہ کر دیا جاتا ہے۔ کبھی آپ تک پہنچنے میں تاخیر ہو جائے یا بالکل ہی نہ مل پائے تو آپ ہمیں اپنی شکایت درج کرائیں ان شاء اللہ آپ کی شکایت کا ازالہ کیا جائے گا۔
(ادارہ)

طریقہ: نام۔۔۔۔۔ رسید نمبر۔۔۔۔۔ خریداری نمبر۔۔۔۔۔ ایجنسی نمبر۔۔۔۔۔ ایڈریس۔۔۔۔۔
تعداد رسالہ۔۔۔۔۔ بابت ماہ۔۔۔۔۔ کار سالہ نہیں ملا۔

وضاحت:

[رسید نمبر] جب آپ نے رسالہ بک کرایا تھا اور رقم ادا کی تھی تو آپ کو دفتر کی جانب سے ایک رسید دی جاتی ہے۔ جس پر آپ کا نام اور علاقہ وغیرہ لکھا ہوا ہوتا ہے۔
[خریداری نمبر] سے مراد یہ ہے کہ جب آپ کو رسالہ بھیجتا جاتا ہے تو آپ کے نام اور ایڈریس کے ساتھ خریداری نمبر لکھا ہوا ہوتا ہے۔
[ایجنسی نمبر] سے مراد یہ ہے کہ جب آپ کو زیادہ تعداد میں رسالہ بھیجا جاتا ہے تو آپ کے نام اور ایڈریس کے ساتھ ایجنسی نمبر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

مثلاً: محمد عبداللہ، رسید نمبر 234، خریداری 456، مکان نمبر 32، رانا اسٹریٹ،
ڈاکخانہ حویلیاں، ہری پور، عدد 1، مارچ 2014۔

ہمیں خط لکھیں یا میسج کریں اور ای میل بھی کر سکتے ہیں۔

خط لکھنے کے لیے: دفتر رسائل و جرائد مرکز اہل السنۃ والجماعت 87 جنوبی سرگودھا

ای میل ایڈریس: mag@ahnafmedia.com

میج کرنے کے لیے: 03326311808

رقم بھیجنے کا طریقہ کار!!

تمام خریدار اور ایجنسی ہولڈرز کو ادارے کی جانب سے گزارش کی جاتی ہے کہ آپ کو ہر ماہ تسلسل کے ساتھ مطلوبہ رسائل بھیجے جارہے ہیں۔ آپ کی سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے ادارہ نے آپ کی طرف سے ادا شدہ رقم کو یقینی بنانے کے لیے ہدایات جاری کی ہیں۔

بذریعہ منی آرڈر:

دفتر رسائل و جرائد [ماہنامہ فقہ] مرکز اہل سنت والجماعت 87 جنوبی سرگودھا۔
نوٹ: منی آرڈر سلپ پر اپنا نام مکمل پتہ اور فون نمبر لکھنے کے ساتھ مطلوبہ رسالے کا نام ضرور لکھیں اور اگر نیا رسالہ جاری کرانا ہے تو ساتھ بریکٹ میں (نیا) لکھیں اور اگر سابقہ بل ادا کرنا ہے تو بریکٹ میں (تجدید) اور اپنا خریداری نمبر لکھیں۔

بذریعہ بینک ڈرافٹ:

میزان بینک سرگودھا بنام محمد الیاس 14010100725862
نوٹ: اپنا مکمل نام و پتہ، بینک ڈرافٹ نمبر لازمی ہمیں ارسال کریں اور بذریعہ فون یا S.M.S یا ای میل ✉ ہمیں اس کی اطلاع دیں۔

ای میل ایڈریس:

mag@ahnafmedia.com

میج کرنے کے لیے:

[ماہنامہ فقیہ کے مستقل ممبر بننے دوستوں کے نام ماہنامہ فقیہ سبسکریپشن کیجیے]

ممبر شپ کا طریقہ

نام: ولدیت:

رابطہ نمبر: ای میل:

بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر نمبر (لازمی):

بینک کا نام: رقم جمع کرانے کی تاریخ:

مکمل ایڈریس: ☐:

مکان / فلیٹ / دکان / دفتر نمبر، ڈاکخانہ، تحصیل، ضلع اور صوبہ واضح لکھیں:

نوٹ: فارم کسی بھی سادہ کاغذ پر فیل آپ کر کے سرکولیشن مینیجر ماہنامہ فقیہ کے نام

درج ذیل پتے پر ارسال کریں۔ یا بینک ڈرافٹ نمبر اور مکمل پتہ فون پر لکھوادیں۔

پتہ: دفتر رسائل و جرائد (ماہنامہ فقیہ) مرکز اہل السنۃ والجماعۃ 87 جنوبی سرگودھا۔

نوٹ: رقم کی ادائیگی بذریعہ منی آرڈر درج بالا پتے پر کریں۔

بذریعہ بینک ڈرافٹ: میزبان بینک سرگودھا بنام محمد الیاس 14010100725862

نوٹ: اپنا مکمل نام و پتہ، بینک ڈرافٹ نمبر لازمی ہمیں ارسال کریں اور بذریعہ فون یا

S.M.S یا ای میل ☐ ہمیں اس کی اطلاع دیں۔

مضامین بھیجنے اور شکایات کے لیے: mag@ahnafmedia.com

فون: ☎ 03326311808

ماہنامہ فقہ ملنے کے پتے

ایجنسی ہولڈرز	علاقہ	فون نمبرز
دارالایمان	کراچی	03342028787
تحسین اللہ	پشاور	03339217613
قاضی نوید حنیف	آزاد کشمیر	03132317090
سلیم معاویہ	کبیر والا	03005664817
حبیب الرحمن نقشبندی	ننکانہ صاحب	03084552004
مولانا محمد عثمان	میانوالی	03336836228
مولانا عمر خطاب	اٹک	03077375075
رحمت اللہ	کوہاٹ	03449251287
مولانا خالد زبیر	لاہور فیصل آباد	03153759031
مولانا خالد زبیر	چکوال	03335912502
ضیاء الرحمن	واں بھجراں	03363725900
مولانا محمد دلاور	اوکاڑہ	03136969193
مولانا عبد اللہ قمر	قصور	03008091899
مولانا عبد اللہ شہزاد	حافظ آباد	03212374824
مولانا امان اللہ حنفی	سرگودھا	03067800751
عبد الوکیل عزیزی	سیالکوٹ	03338639255

نوٹ: ایجنسی بک کروانے کے لیے رابطہ کریں: 03326311808